تھا۔ اس نے ازدحام کا سبب پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ آج جہان خاتون کی شادی کا دن ہے اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ مکان کے اندر بیٹھی ہے۔ عبید ذکانی نے موقع کی مناسبت سے فوراً ایک قطعہ کہا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

پھر اس نے یہ قطعہ ایک کاغذ پر لکھ کر اندر بھیج دیا۔ دونوں میاں بیوی اس کو پڑھ کر پھڑک اٹھے اور عبید ذکانی کو انعام واکرام سے نوازا۔

عبید ذکانی کا یہ شعر جہان خاتون ہی کی تعریف میں ہے ؎

گر غزل ہائے جہاں خاتوں بہندوستاں فتند
روحِ خسرو ہم حسن گوید کہ ایں کس گفتہ است

جہاں خاتون کا سالِ وفات کسی تذکرے میں درج نہیں ہے۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی حیات

خواجہ قوام الدین شیرازی کی پہلی اہلیہ تھی اور خواجہ حافظ شیرازی (المتوفی ۷۹۲ھ) کی ہمعصر تھی۔ بہت اونچے درجے کی شاعرہ تھی۔ جب اس کے شوہر خواجہ قوام الدین نے جہان خاتون سے دوسرا عقد کیا تو اس نے یہ شعر کہا ؎

ہر کہ غمِ جہاں خورد کے خورد از حیات بر
رو تو غمِ جہاں مخور تا زِ حیات برخوری

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ شعر بھی اس نے اپنے شوہر کی دوسری شادی کے سلسلے میں کہا ؎

جہاں خوش است لیکن حیات می باید
اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

(مشاہیر نسواں)

بی بی ست الفقہاءؒ

آٹھویں صدی ہجری میں نامور محدثہ گزری ہیں۔ زہد و عبادت اور اعمالِ حسنہ میں بھی اپنی نظیر آپ تھیں۔ انہوں نے جعفر ہمدانیؒ، احمد حرانیؒ، عبدالرحمن بن سلیمان اور عبداللطیف ابنِ قبطیؒ جیسے علماءِ عصر سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ اس کے علاوہ علمِ فقہ میں بھی دسترس حاصل کی۔ سندِ فراغت لینے کے بعد انہوں نے خود اپنی درسگاہ قائم کی اور ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔ لوگ ان سے بطورِ خاص پہلے سنن ابنِ ماجہ کا اور پھر حدیث کی دوسری کتابوں کا درس لیا کرتے تھے۔

(مشاہیر النساء)

بی بی زینب بنت عبدالرحمٰنؒ

مشہور عالم علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہؒ کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے اپنے والد اور نیز علامہ ابن الدایمؒ وغیرہ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور پھر اپنی درسگاہ قائم کر کے مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ ان کی درسگاہ میں لوگ دور دور سے آتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھا کر واپس جاتے تھے۔

بی بی زینبؒ نے ۷۲۹ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ (مشاہیر النساء)

بی بی فضہؒ

یہ عارفہ اندلس میں اپنے زہد و عبادت اور کرامات کی وجہ سے مشہور ہوئیں۔ ساتویں/آٹھویں صدی ہجری میں ان کے زہد و اتقا کا عام چرچا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے "نفحات الانس" میں ان کو زمرۂ اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔ (نفحات الانس)

بی بی آمنہ بنتِ علیؒ

دمشق کے ایک بزرگ علی بن عبد العزیزؒ کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے اپنے دَور کی ایک نادرۂ روزگار محدثہ اسماءؒ بنتِ حصران اور ایک سرآمدِ روزگار عالم عبداللہؒ بن ابی التائب سے علمِ حدیث حاصل کیا اور فراغ کے بعد خود عرصۂ دراز تک علمِ حدیث کا درس دیتی رہیں۔ شام کے ہزاروں لوگوں نے ان کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کی۔

شروع ۷۹۲ھ ہجری میں اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت کی۔

(تذکرۃ الخواتین)

بی بی فاطمہؒ بنتِ احمد

حلب (شام) کی رہنے والی تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:— فاطمہ بنتِ احمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن زید الحلبی — سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے۔ ان کی کنیت اُمّ الحسن تھی۔ علمِ حدیث میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ وہ اپنے اجداد سے روایت کرتی ہیں۔ ۷۳۲ھ میں پیدا ہوئیں اور ۸۱۲ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیر نسواں)

بی بی فاطمہؒ بنتِ عمر

آٹھویں صدی ہجری میں مصر کی ایک فاضل محدثہ گزری ہیں۔ عام طور پر "بنت الاعمی" کے نام سے مشہور رہیں۔ والد کا نام عمر بن یحییٰ المدنی تھا۔ ۷۹۳ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیر نسواں)

بغداد خاتون

ایران کے ایلک خانی (ایلخانی) مغل حکمرانوں کے عہد کے مشہور امیر الامراء امیر چوپان کی بیٹی تھی۔ نہایت خوبرو اور زیرک خاتون تھی۔ اس کی شادی امیر حسن جلائری (جلیری) سے جو تاریخ میں شیخ حسن بزرگ کے نام سے مشہور ہے، ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوئی۔ نویں ایلک خانی فرمانروا ابوسعید (۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء تا ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء) کو بغداد خاتون کے اوصاف و خصائل کا علم ہوا تو اس نے چاہا کہ امیر حسن اسے طلاق دے دے تاکہ وہ خود اس سے شادی کرلے۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) کا ہے۔ لیکن بغداد خاتون کے والد امیر چوپان نے سلطان ابوسعید کی یہ کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ اس پر سلطان ابوسعید امیر چوپان کا دشمن ہوگیا۔ ۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) میں ابوسعید کی انگیخت پر ہرات کے کرت حکمران غیاث الدین (۷۰۸ھ/۱۳۰۸ء تا ۷۲۹ھ/۱۳۲۹ء) نے امیر چوپان کو دھوکے سے قتل کردیا۔ اب امیر حسن نے مجبور ہوکر بغداد خاتون کو طلاق دے دی اور سلطان ابوسعید نے اس سے نکاح کرلیا۔ بغداد خاتون اپنے حسن لیاقت سے سلطان ابوسعید کے مزاج پر پوری طرح حاوی ہوگئی اور ایلک خانی سلطنت میں اس کو زبردست اثر و رسوخ حاصل ہوگیا یہاں تک کہ اس کی مرضی کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ اس کے رعب و اقتدار کی یہ کیفیت تھی کہ خواص و عوام اس کو خنکار (خداوندگار یعنی فرمانروا) کے لقب سے پکارتے تھے۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) میں بغداد خاتون کے بعض حاسدوں نے سلطان ابوسعید کے دل میں یہ شک ڈالا کہ امیر حسن نے اپنی سابقہ بیوی سے مل کر سلطان کو مروانے کی سازش کی ہے اس پر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہوگئے لیکن اگلے سال تحقیق کے بعد یہ الزام جھوٹا ثابت ہوا اور بغداد خاتون کا اثر و اقتدار بحال ہوگیا۔

۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) میں سلطان ابوسعید نے دلشاد خاتون سے نکاح کرلیا جو رشتہ

میں بغداد خاتون کی بھتیجی ہوتی تھی۔ سلطان کا یہ فعل بغداد خاتون کی کبیدہ خاطری کا باعث ہوا، مگر وہ خاموش رہی۔ اگلے سال ۷۳۶ھ / ۱۳۳۶ء میں سلطان ابو سعید اچانک فوت ہو گیا۔ اس کے جانشین ارپا خان اور بعض امرائے سلطنت نے بغداد خاتون پر تہمت لگائی کہ اس نے ابو سعید کو زہر کھلا کر ہلاک کیا ہے چنانچہ اسی بنا پر اس کو قتل کرا دیا گیا۔ اس کے قتل کا ایک اور سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اردوئے زریں (التون اردو) کے فرمانروا ازبک (۷۱۲ھ / ۱۳۱۲ء تا ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء) کو خط لکھ کر ایران پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ (واللہ اعلم)

(روضۃ الصفا۔ مشاہیر نسواں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

سِت حدق

الملک الناصر محمد بن قلاؤن مصر کے سلاطین بحری مملوک کے سلسلے کا مشہور فرمانروا ہوا ہے۔ وہ تین بار تخت حکومت پر بیٹھا۔ پہلی مرتبہ اس نے ۶۹۳ھ / ۱۲۹۳ء سے ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء تک، دوسری مرتبہ ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء سے ۷۰۸ھ / ۱۳۰۸ء تک اور تیسری مرتبہ ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء سے ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء تک مصر پر حکومت کی۔ سِت حدق اسی ملک الناصر محمد کی خالہ تھی۔ اس کو شاہی خاندان میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور مصر میں ایک مقتدر شخصیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس دیندار اور مخیر خاتون کو رفاہِ عامہ کے کاموں سے بہت شغف تھا چنانچہ اس نے رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کیے۔ امتدادِ زمانہ سے ان کاموں کے آثار مٹ چکے ہیں۔ البتہ قاہرہ میں ایک عالی شان جامع مسجد اس کی یادگار ابھی باقی ہے۔ یہ "جامع سِت حدق" کے نام سے مشہور ہے۔

سِت حدق نے ۷۳۷ھ میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی فاطمہؒ بنتِ علم الدین البرزالیؒ

ملک شام کی مشہور محدثہ ہوئی ہیں۔ علامہ علم الدین البرزالی کی دختر نیک اختر تھیں۔ علم حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ ان کی درسگاہ میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔ علامہ صلاح الدین صفدی صاحب "عنوان النصر فی اعیان العصر" نے ان کو اپنا استاد تسلیم کیا ہے۔ ۷۳۱ھ ہجری میں انتقال کیا۔

(مشاہیر النساء)

بی بی اُمِّ عمرؒ

حافظ تقی الدین محمد بن رافع السلامیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور محدثہ ہوئی ہیں۔ انہوں نے علامہ عبدالرحیمؒ بن ابی الیسر اور کئی دوسرے علماء سے علم حدیث حاصل کیا اور بعد میں خود اپنی درسگاہ قائم کی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے فاضلِ زمانہ بزرگوں نے ان سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

۸۰۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی صفیہؒ بنتِ احمدؒ

شرف الدین احمد بن احمد المقدسیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ بیت المقدس کی رہنے والی تھیں۔ اپنے دور کی نامور محدثہ ہوئی ہیں۔ انہوں نے علم حدیث علامہ ابن الدائمؒ سے حاصل کیا اور تکمیل کی سند لینے کے بعد خود اپنی درسگاہ قائم کی۔ اس میں دور دور سے شائقین علم حاضر ہوتے تھے اور دولتِ علم سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ بی بی صفیہؒ اکثر صحیح مسلم کا درس دیا کرتی تھیں۔

(مشاہیر النساء)

بی بی خدیجہ بنت احمدؒ

احمد بن الحنبلیہ کی صاحبزادی اور زین الدین عمر الباسی کی والدہ تھیں۔ علمِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھیں۔ ان کے تلامذہ میں امام ابن حجر عسقلانیؒ کا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ابناء میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۸۰۹ھ ہجری میں وفات پائی۔ (تذکرۃ المحدثین)

بی بی زینب بنت احمد کمال الدینؒ

ساتویں/آٹھویں صدی ہجری میں بیت المقدس میں نامور محدثہ ہوئی ہیں ۶۴۶ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ محمد بن عبداللہ، خطیب مراد، عبدالحمید بن عبدالہادی عبدالحمید بن ابی القاسم البلدانی اور ابراہیم بن ابی الخیر جیسے جلیل القدر علماء سے استماعِ حدیث کیا اور پھر طویل مدت تک خود درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ ۷۴۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ (مشاہیر النساء)

بی بی زینب شامیہؒ

آٹھویں صدی ہجری کی سرآمدِ روزگار محدثہ ہوئی ہیں۔ ملک شام کی رہنے والی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں محدثہ امۃ العزیز نے بڑی شہرت پائی اور خواص و عوام سے "مستندۃ الشام" کا لقب پایا۔ بی بی زینب شامیہ نے ۷۴۹ھ میں وفات پائی (مشاہیر النساء)

بی بی تگنی رح

بی بی تگنی رح، مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے فرزند مخدوم سید ناصر الدین محمود رح کی اہلیہ تھیں[1]۔ بڑی نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان سے کئی کرامات

---

[1] جلال الحق والدین سید جلال الدین المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے تھا تاہم انہوں نے سلسلۂ چشتیہ میں بھی حضرت شیخ نصیر الدین رح چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ والد سید احمد کبیر رح اور دادا حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری رح تھے وہ بھی اپنے دَور کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ مخدوم جہانیاں رح ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸۵ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ مصر، شام، حجاز، عراق، بلخ بخارا، وغیرہ مختلف ممالک کی سیر و سیاحت میں گزارا، اسی لیے انہیں جہاں گشت کہا جاتا ہے۔ سیاحت سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اوچ میں مستقل قیام فرمایا اور آخری دم تک تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں بے شمار ہندو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ پنجاب کے مشہور قبیلے کھرل اور نون بھی مخدوم جہانیاں رح ہی کی تبلیغ سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت مخدوم جہانیاں رح کا مزار اوچ میں زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔

مخدوم سید ناصر الدین محمود رح، مخدوم جہانیاں رح کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت ۷۴۰ھ میں ہوئی اور وفات ۸۲۶ھ میں۔ نہایت عالم و فاضل اور صاحبِ کمال تھے۔ سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے

(باقی اگلے صفحہ پر)

منسوب ہیں۔ ان کی قبر پنجاب کے مشہور تاریخی قصبے اوچ (اُچ شریف) میں آج بھی محفوظ ہے۔ یہ قبر ایک حجرے میں ہے اور اس میں صرف عورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ (تاریخ اوچ)

بی بی جیوندیؒ

بی بی جیوندی (یا جند وڈی) مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی اولاد سے تھیں۔ بڑی بزرگ اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ ان کا مقبرہ محمد دلشاد بادشاہِ خراسان نے سنہ ۹۰۰ھ (۱۴۹۴) میں تعمیر کرایا تھا۔ نہایت عظیم الشان عمارت ہے اور حسنِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس کا آدھا گنبد حوادث زمانہ کی نذر ہو چکا ہے لیکن عمارت قائم ہے۔ غالباً محکمہ آثارِ قدیمہ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ (تاریخ اوچ)

بی بی عائشہؒ بنتِ محمدؒ

دمشق (شام) کی نامور محدثہ ہوئی ہیں۔ محمد بن احمد بن عثمان کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی درسگاہ کی شہرت حجاز سے مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے پایۂ علمی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) نے ان سے علمِ حدیث کے سبق پڑھے ہیں۔ بی بی عائشہؒ نے ۸۰۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دَور کے جلیل القدر اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خرقۂ خلافت اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیا تھا۔ اللہ نے انہیں بیس فرزند عطا کیے۔ ان کی اولاد پاکستان اور بھارت کے مختلف علاقوں اور شہروں میں ابھی تک موجود ہے۔

بی بی عائشہؒ عسقلانی (سِتّ العیش)

قاضی علاؤ الدین حنبلی کی صاحبزادی تھیں۔ ۷۶۸ھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا شمار مصر کی نامور عالمات میں ہوتا ہے۔ مولانا فتح الدین عسقلانیؒ آپ کے دادا تھے اور وہ اکثر ان کی مجلسِ درس میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ جملہ علومِ دینی کے علاوہ انہوں نے فنِ خوشنویسی میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔

نویں صدی ہجری میں کسی وقت وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی عائشہؒ بنتِ شمس الدینؒ

ملک شام کی نہایت نامور محدثہ گزری ہیں۔ والد کا نام علی بن محمد تھا۔ اور حافظ شمس الدین حسینی کی اہلیہ تھیں۔ ساری عمر دمشق میں گزاری۔ وہ ابن الجناز وغیرہ محدثین سے روایت کرتی ہیں۔ ۸۱۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء)

بی بی آئمکؒ

آٹھویں صدی ہجری میں علمِ حدیث کی نامور عالمہ ہوئی ہیں۔ وہ ابراہیم بن خلیل بن محمود کی بیٹی اور شیخ جمال الدین کی بہن تھیں۔ ان دونوں کا تعلق طبقۂ علماء سے تھا۔ ایک مرتبہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی ملاقات بی بی آئمک سے ہوئی۔ انہوں نے ایسی عالمانہ گفتگو کی کہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ ربیع الآخر ۸۱۵ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ (مشاہیر نسواں)

للّہ عارفہ

للّہ عارفہ آٹھویں صدی ہجری میں، وادیٔ کشمیر میں ایک عجیب و غریب شخصیت گزری ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ خاتون ہندو تھی اور اس کا نام لل ایشوری یا لل یوگیشوری تھا مگر مسلمان کہتے ہیں کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ ایک صوفی المسلک مجذوبہ تھی چنانچہ کشمیر کے مسلمان اس کو از راہِ احترام لل دَدی یا لل ماجی (یعنی بزرگ ماں) کہتے ہیں۔ صوفیۂ کشمیر کے تذکروں میں اس کو مسلم اولیاء اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔ عام طور پر وہ للّہ ہی کے نام سے مشہور ہے جو کشمیری زبان میں ایک پیار کا لفظ سمجھا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ کشمیر کے ہندو اور مسلمان سب اپنے اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق اسے ایک قابلِ احترام شخصیت سمجھتے ہیں۔ اس کے اشعار اور اقوال بھی دونوں قوموں میں مقبول ہیں۔

للّہ عارفہ ۷۳۵ھ (۱۳۳۵ء) میں کشمیر کے ایک گاؤں پنڈریٹھن (نزد سرینگر) میں پیدا ہوئی۔ ایک اور روایت میں اس کی جائے پیدائش کا نام سم پور بیان کیا گیا ہے۔ اس کے والدین متوسط درجے کے ہندو زمیندار تھے۔ انہوں نے نومولود بچی کا نام لل ایشوری رکھا۔ وہ ابھی کمسن ہی تھی کہ والدین نے اس کی شادی پانپور کے ایک برہمن زادے سے کر دی۔ وہ گھر کا سارا کام کاج بڑی محنت سے انجام دیتی تھی لیکن اس کی ساس اس پر بہت سختیاں کرتی تھی۔ گالیاں دیتی، بھوکا رکھتی اور اس کے شوہر سے پٹواتی رہتی تھی۔ دکھ سہتے سہتے اس کی زندگی میں عجیب سا انقلاب آ گیا۔ وہ اکثر گم صُم رہنے لگی اور نفس کُشی میں لذت محسوس کرنے لگی۔ اسی حالت میں اس نے اللہ

سے لو لگالی اور دنیا کو ہیچ سمجھنے لگی اسی زمانے میں اس سے چند خارق عادت باتیں ظہور میں آئیں جن کو دیکھ کر لوگ اس کو ایک دیوی سمجھنے لگے اور عورتیں دُور دُور سے اس کے درشن کے لیے آنے لگیں مگر وہ اپنے خیالوں میں مست رہتی اور لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی کوشش کرتی۔ آخر ایک دن وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور دشت نوردی اختیار کر لی۔ کسی نے کچھ دے دیا تو کھا لیا ورنہ بھوکی پیاسی ہی جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھانتی پھرتی یہ اس کی مجذوبیت کا دَور تھا جو کئی سالوں پر محیط ہے۔ ۷۷۳ھ ۱۳۷۱ء میں مشہور ولی اللہ سید حسن سمنانیؒ کا وُرُود کشمیر میں ہوا۔ ان کے روحانی کمالات نے للہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ان کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئی اور پھر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارنے لگی[1] اس وقت اس کی عمر ۳۸ برس کی تھی۔

ایک روایت کے مطابق اس سے پہلے جب سلسلۂ سہروردیہ کے شہرۂ آفاق بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء میں کشمیر تشریف لائے تھے، تو للہ نے ان سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔

۷۷۴ھ ۱۳۷۲ء میں مشہور ولی اللہ اور مبلغِ اسلام" امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کشمیر تشریف لائے تو للہ اُن کے فیوض و برکات سے بھی متمتع ہوئی۔

اب وہ اپنوں اور بیگانوں سب کو برابر سمجھنے لگی اور رشتۂ انسانیت کو

---

[1] "مشاہیر لسواں" میں "خزینۃ الاصفیا" کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ للہ کے والدین حضرت بلبل شاہ کشمیریؒ کی بدولت مسلمان ہوئے۔ للہ بھی اکثر والدین کے ہمراہ شاہ صاحب کی خدمت میں جاتی تھی۔ ان کی دعا سے اس نے وہ درجہ پایا کہ کشف القلوب، کشف القبور اور کرامات میں یگانۂ روزگار ہوئی۔ لیکن دوسرے تذکروں میں اس کے حالات اسی طرح بیان ہوئے ہیں جس طرح ہم نے یہاں بیان کیے ہیں۔ (طالب ہاشمی)

سب سے افضل قرار دینے لگی۔ رنگ نسل وطن اور رسم ورواج کے امتیازات اس کے نزدیک باطل تھے۔ وہ بت پرستی کی مخالف تھی اور فلسفۂ ہمہ اوست (وحدت الوجود) کی زبردست مبلغ تھی۔

کشمیر کے نامور صوفی شیخ نور الدین ولیؒ (المتوفی ۸۴۲ھ) للہ عارفہ کے رضاعی فرزند اور عقیدت مند تھے اپنی ایک مناجات میں انہوں نے للہ کو ارباب معرفت میں شمار کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ وہ انہیں للہ ددی جیسا بنا دے۔

للہ کشمیری زبان کی خوشگو شاعرہ بھی تھی۔ بعض ارباب علم نے اس کو کشمیری شاعری کا بانی قرار دیا ہے۔ اس کے اقوال بھی اہلِ کشمیر میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے چند مجموعے چھپ چکے ہیں۔

للہ عارفہ کے اشعار اور اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہیں کہیں ان میں شیومت اور ہندومت کے یوگ فلسفے کی آمیزش ہے لیکن اکثر پر اسلامی تصوّف کا رنگ غالب ہے۔

علّامہ عبداللہ یوسف علی مرحوم نے "تاریخ ہند" میں لکھا ہے کہ "وہ تحریک جس کے ذریعے شیومت سلسلۂ نقشبندیہ کے قریب ہوا، اس کا بہترین نمونہ للہ کشمیری کے گیتوں میں ملتا ہے۔"

للہ عارفہ نے ۷۸۲ھ (۱۳۷۹ء) کے لگ بھگ بہاڑہ کے مقام پر وفات پائی۔ اس کی قبر کا سراغ نہیں ملتا۔

للہ عارفہ کے اشعار اور اقوال کا نمونہ یہ ہے:-

۱- جب لا الٰہ کہا، وسواس ہوا، اِلّا اللہ کہنے سے تسلی ہوئی۔ سجدہ چھوڑ کے ساجد اور مسجود کو ایک جانا تو موجود پایا۔ اب اس کیفیت سے للہ کا مکان لامکان ہوا۔

۲- مورتی بھی پتھر ہے اور مندر بھی پتھر ہے دونوں اوپر سے نیچے تک

ایک ہی ہیں۔ پس اے نادان پنڈت پھر تو کس کی پوجا کرے گا۔

۳۔ کیا سورج ساری دنیا میں اجالا نہیں کرتا؟ کیا وہ صرف خوبصورت آبادیوں ہی کو منور کرتا ہے؟ کیا ہوا ہر گھر میں داخل نہیں ہوتی؟ یہ ایک بھید ہے اس اصول کو سمجھ لو۔

۴۔ شیو (خدا) ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ تعصب اور تنگ نظری کو چھوڑ دو۔ اگر تم میں عقل اور بصارت ہے تو اس کا جلوہ ہر جگہ دیکھ سکتے ہو لیکن اللہ کی پہچان تبھی ہو گی جب اپنے آپ کو پہچان لو گے۔

۵۔ اے عابد! یہ تیری نظر کا قصور ہے کہ تو ایک کو دو دیکھ رہا ہے اور خدا کے وجود کو کبھی مرد اور کبھی عورت سمجھ رہا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم جو کچھ دیکھتے ہو اور جس رنگ میں دیکھتے ہو سب اسی ایک اللہ کے نور کا ظہور ہے۔

(مشاہیر نسواں، خواتین کشمیر۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ المعارف لاہور جون ۱۹۷۴ء

بی بی اُمّ الحسنؒ

اصل نام فاطمہ تھا۔ شام کی رہنے والی تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

ام الحسن فاطمہؒ بنتِ احمد بن علی بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن زید الحلبی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد سے تھیں۔ علم حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ انہوں نے اپنے اجداد سے روایت حدیث کی ہے۔

۷۳۲ھ ہجری میں پیدا ہوئیں اور ۸۱۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

(مشاہیر النّساء)

نویں صدی ہجری

۱- بی بی اَمۃ الخالق رح ــــ (عالمہ، شاعرہ)
۲- بی بی صفیہ ابہری رح ــــ (عارفہ)
۳- بی بی شاد بیگم (دلاور، ہنرمند، فنونِ سپہگری میں طاق)
۴- بی بی قتلق نگار خانم (بہادر، نڈر، دانش مند)
۵- بی بی مہر انگیز بیگم (فنونِ سپہگری میں طاق، ہنرمند)
۶- بی بی زینب ــــ (شاعرہ)
۷- بی بی رابعہ بنتِ احمد رح ــــ (عالمہ، محدثہ)
۸- بی بی حنیفہ رح ــــ (عالمہ، محدثہ)
۹- قیصری بیگم ــــ (عالمہ)
۱۰- بی بی بیجہ ــ (شاعرہ، ستارہ شناس)
۱۱- ملکہ بی بی راجی (مدبرہ، معارف پرور، مخیر)
۱۲- بی بی مہری خاتون ــــ (شاعرہ، ادیبہ)
۱۳- ملکہ آفاق بیگم (باسلیقہ، دانشمند، نیک فطرت)
۱۴- بی بی بگی ــــ (شاعرہ، علم دوست، مخیر)
۱۵- بی بی زینب بنتِ سلیمان رح ــــ (محدثہ)
۱۶- بی بی زینب بنتِ عبداللہ الازہری رح ــ (〃)
۱۷- بی بی عائشہ بنتِ شہاب الدین ــــ (عالمہ)
۱۸- گیتی آرا بیگم (بہادر، فنونِ سپہگری میں طاق، ہمدردِ خلائق)
۱۹- بی بی اسماء بنتِ محمد رح ــــ (عالمہ، محدثہ)
۲۰- ملکہ اَمۃ الحبیب (بہادر، بیباک، علم دوست)
۲۱- بی بی آسیہ بنتِ جار اللہ رح ــــ (عالمہ)
۲۲- بی بی فاطمہ بنتِ احمد رح ــــ (محدثہ)
۲۳- بی بی دولت ایساں (صاحب الرائے، باہمت، سیاستدان)
۲۴- بی بی رجب رح ــــ (عالمہ، محدثہ)
۲۵- ملکہ گوہر شاد آغا بیگم (عالمہ، معارف پرور، مخیر)
۲۶- بی بی خدیجہ رح بنتِ عبدالرحمٰن ــــ (محدثہ)
۲۷- بی بی اُمِّ ہانی رح ــــ (عالمہ، فاضلہ)
۲۸- بی بی اُمّ الفتح رح ــــ (محدثہ)
۲۹- بی بی آمنہ بنتِ موسیٰ رح ــــ (〃)
۳۰- بی بی صفیہ بنتِ یاقوت ــ (〃)
۳۱- بی بی زینب بنتِ عبداللہ رح ــ (〃)
۳۲- بی بی زینب بنتِ احمد رح ــ (عالمہ، محدثہ)
۳۳- بی بی مریم بنتِ علی (عالمہ فاضلہ، شاعرہ)
۳۴- بی بی اُمّ البہاء رح ــــ (محدثہ)
۳۵- بی بی بلقیس بنتِ محمد رح ــــ (عارفہ)
۳۶- بی بی الف بنتِ جمال رح ــــ (محدثہ)
۳۷- بی بی عائشہ اُمِّ محمد ــ (غیور، مجاہدہ)
۳۸- بی بی عائم رح ــــ (محدثہ)
۳۹- بی بی خدیجہ بنتِ احمد رح ــــ (عالمہ، محدثہ)
۴۰- بی بی الف بنتِ حسام الدین رح ــــ (محدثہ)
۴۱- ملکہ مخدومہ جہاں (مدبرہ، بیدار مغز)
۴۲- بی بی سلمیٰ رح بنتِ شمس الدین ــــ (عالمہ)

بی بی امۃ الخالق رح

عبداللطیف بن صدقہ بن عوض المنادی العقبی کی صاحبزادی تھیں۔ ۸۱۴ھ میں پیدا ہوئیں۔ زمانۂ تعلیم میں مسند احمد، معجم طبرانی، سیرۃ ابن ہشام، الفیہ، منہاج وغیرہ کتابیں پڑھیں اور بعض کو حفظ کرلیا۔ علامہ جمال الدین حنبلی رح کی مجلس درس میں شریک ہوئیں بعد میں خود طویل مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ ان سے کئی بڑے بڑے محدثین نے روایتیں لی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رح نے بھی ان سے کسب فیض کیا ہے۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ ذیل کے اشعار انہی کے ہیں:

ھی المقادیر قد عنی او تذر	مقدر ہے کبھی بلاتا ہے کبھی چھوڑ دیتا ہے
ان کنت اخطات نما اخطا القدر	اگرچہ میں خطا کروں لیکن مقدر خطا نہیں کرتا
اذا اراد اللہ امرا بامرء	اللہ جب بندے سے کوئی کام کرانا چاہتا ہے
وکان ذا عقل وسمع وبصر	بحالیکہ وہ عقل و سماعت و بصر رکھتا ہے
اعمی اذنیہ واعما قلبہ	تو اس کو بہرا اور اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے
وسلہ من عقلہ سل الشعر	اور (دودھ میں سے) بال کی طرح عقل نکال لیتا ہے
حتی اذا انفذ فیہ حکمہ	یہاں تک کہ وہ شخص کام کرلیتا ہے
رد اللہ عقلہ لیعتبر	تو اس کی عقل واپس کی جاتی ہے تاکہ عبرت پکڑے

بی بی امۃ الخالق رح نے ۹۲۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الخواتین)

بی بی صفیہ ابہری رح

ماوراءالنہر کے فرمانروا سلطان ابوسعید (۸۵۵ ہجری تا ۸۷۲ ہجری) کے زمانے میں ایک مشہور عارفہ گزری ہیں۔ اُن کے روحانی کمالات کا اس قدر شہرہ تھا کہ دور دور سے لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے تھے اور ان سے دعا کے خواستگار ہوتے تھے یہاں تک کہ شاہی خاندان کی خواتین بھی حصولِ برکت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں اور ان کا جوٹھا پانی پینا اپنے لیے بہت بڑی سعادت کا باعث سمجھتی تھیں۔

بی بی صفیہ رح کا مستقل قیام شہر ابہر میں تھا اور سلطان ابوسعید کے زمانے میں وہ بہت سن رسیدہ ہو چکی تھیں۔

(مشاہیر نسواں بحوالہ تذکرہ حسینی)

شاد بیگم

سلطان حسین مرزا (المتوفی ۹۰۸ھ) کی نواسی اور ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی ممانی تھی۔ بڑی دلاور اور ہنرمند خاتون تھی۔ فنونِ سپہ گری سے خوب واقف تھی۔ اکثر مردانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتی تھی۔ نہایت اچھی قدر انداز تھی اور چوگان بازی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔

(ہمایوں نامہ)

قتلق نگار خانم

یونس خاں چغتائی کی بیٹی اور عمر شیخ مرزا کی بڑی حرم تھی۔ بڑی بہادر، نڈر اور دانشمند خاتون تھی۔ خانزادہ اور (ظہیر الدین محمد) بابر (بادشاہ) اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ وہ طویل عرصہ تک اپنے فرزند بابر کے مصائب و آلام میں شریک رہی اور اس کی اکثر مہموں اور لڑائیوں میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ اس کی زندگی ہی میں بابر نے کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔

قتلق نگار خانم نے محرم ۹۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں اس کی وفات کا حال اس طرح لکھا ہے:

"حضرت خانم کہ حضرت بادشاہ کی والدہ تھیں۔ چھ روز تک بخار میں مبتلا رہ کر عالم فانی سے دار البقا کی طرف رحلت فرما گئیں۔ انہیں باغ نوروزی (کابل) میں دفن کیا گیا۔ باغ کے مالکوں کو بادشاہ (بابر) نے ایک ہزار مسکوک مثقال عطا کیے۔"

(ہمایوں نامہ۔ مشاہیر نسواں)

مہر انگیز بیگم

منظفر مرزا کی بیٹی تھی اور رشتے میں ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی خالہ ہوتی تھی۔ گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

" لباس مردانہ می پوشیدند و بہ انواع ہنر آراستہ اہچو

زہگیر تراشی و چوگان بازی و تیر اندازی واکثر سازہا می نواختند“
یعنی ”(مہر انگیز خانم) مردانہ لباس پہنتی تھیں اور مختلف فنون
مثلاً زہگیر تراشی، چوگان بازی اور تیر اندازی میں مہارت رکھتی تھیں اور
اکثر آلاتِ موسیقی (باجے) بجالیتی تھیں۔“ (ہمایوں نامہ)

بی بی زینب

نویں صدی ہجری/ پندرھویں صدی عیسوی کی نامور ترک شاعرہ تھی۔ وہ شہر اماسیہ (ترکی) کے قاضی کی بیٹی تھی۔ والد نے اس کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جملہ علوم دینی و دنیوی میں طاق ہو گئی۔ اس کا ذوقِ شعر و شاعری فطری تھا۔ عربی اور فارسی میں اس کا یدِ طولیٰ رکھنا گویا سونے پر سہاگہ تھا۔ چنانچہ اس کے بلند پایہ کلام نے تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس کی شہرت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ترکی مؤرخ کمال زادہ نے لکھا ہے کہ اس خاتون کی علمی قابلیت اور شاعرانہ کمالات سب دنیا پر روشن ہیں۔

مؤرخ لطیفی کا بیان ہے کہ زینب نہایت بااخلاق اور باعصمت خاتون تھی۔ علماء وقت اس کی قابلیت اور دانش و بصیرت پر عش عش کرتے تھے۔

اس خاتون نے ساری زندگی تجرّد کی حالت میں گزار دی۔

(مشاہیر نسواں)

بی بی رابعہؒ بنتِ احمدؒ

علامہ احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد شہاب الدین ابو الفضل الکنانی العسقلانی المصری المعروف بہ ابنِ حجر عسقلانیؒ[1] کی صاحبزادی تھیں۔ بڑی عالمہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ ۸۱۵ ہجری میں مکہ معظمہ گئیں اور مشہور محدث شیخ زین الدین بالسیؒ کی مجلسِ درس میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد مصر اور شام کے دوسرے بہت سے محدثین سے استفادہ کر کے اجازہ حاصل کیا۔ پھر اپنے چشمۂ علم سے تشنگانِ علم کو مدت تک سیراب کیا۔ ان کی شادی شیخ الشیوخ محب الدینؒ بن اشقر اس سے ہوئی تھی۔ ۸۳۲ھ میں اپنے والدِ گرامی کی حیات ہی میں دنیائے ناپائدار سے رخصت ہوئیں۔ (مشاہیر نسواں)

---

[1] امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نہایت مشہور محدث، شافعی فقیہ، مؤرخ اور ادیب تھے۔ ۷۷۳ھ میں بمقام قاہرہ پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر فقہ میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد سالہا سال تک علمِ حدیث کی تحصیل میں مشغول رہے اور اس سلسلے میں مصر، حجاز، شام اور یمن کا سفر کیا اور اس دور کے علمائے عصر سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ ساتھ ہی تجوید و لسانیات میں بھی مہارت پیدا کی۔ ۸۲۷ھ سے ۸۴۸ھ تک قاضی القضاۃ کے فرائض انجام دیتے رہے اور ساتھ ہی فقہ و حدیث کا درس بھی دیتے رہے۔ نظم و نثر دونوں پر قادر تھے اور ادبی حیثیت سے بھی بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ تصانیف کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: فتح الباری فی شرح البخاری، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تہذیب التہذیب، غبطۃ الناظر، بلوغ المرام، الدرر الکامنہ، تعجیل المنفعۃ، نخبۃ الفکر، تاویل التاسیس۔

بی بی حنیفہؒ

شیخ عبدالرحمٰن بن احمد بن عمر بن القمنی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کی شہرہ آفاق عالمات اور محدثات میں ہوتا ہے۔ اپنے دَور کے یگانۂ روزگار محدث علامہ کمال ابن خیرؒ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد خود اپنی درسگاہ قائم کی۔ اس درسگاہ میں اس زمانے کے بڑے بڑے علماء نے بی بی حنیفہؒ سے کسب فیض کیا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے انہیں بھی اپنے شیوخ کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ (تذکرۃ الخواتین)

قیصری بیگم

حیدر آباد دکن کی رہنے والی تھیں، اور مالوہ کے فرمانروا سلطان غیاث شاہ خلجی (۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء تا ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء)[1] کی کنیز تھیں۔ انہیں عربی زبان

---

[1] مالوہ نہایت قدیم راجپوت حکومت تھی اس کا دارالحکومت اجین تھا اسے سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء تا ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء) نے فتح کیا۔ امیر تیمور کے حملے (۸۰۰ھ/۱۳۸۹ء) کے بعد دِلّی کی حکومت کمزور ہوئی اور خاندانِ تغلق کا شیرازہ بکھر گیا تو دلاور خان غوری نے جو شاہِ دلی کی طرف سے مالوہ کا گورنر تھا۔ خود مختاری کا اعلان کردیا اور ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء میں مالوہ میں ایک مستقل سلطنت قائم کی۔ ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء میں اس نے وفات پائی تو اس کا بیٹا ہوشنگ غوری مالوہ کا بادشاہ بنا۔ اس نے شہر مانڈو بسایا اور اسی کو اپنا پایۂ تخت بنایا اس کی وفات کے بعد ۸۳۶ھ/۱۴۳۴ء میں اس کا فرزند محمد غزنی تخت پر بیٹھا مگر اس کے وزیر محمود خلجی نے حکومت اس سے چھین لی اور ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء میں خود مالوہ کا حکمران بن گیا۔ اس نے ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء تک حکومت کی سلطان غیاث شاہ خلجی اسی محمود خلجی کا بیٹا تھا۔ وہ سیرت و کردار کے لحاظ سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جملہ علوم اسلامی میں درجۂ تبحر حاصل تھا۔ قرآنِ حکیم سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے قرآنِ پاک کی آیات کو موضوع کے لحاظ سے مرتب کیا تھا اور اس کا نام تفہیم القرآن رکھا تھا۔ (مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

بی بی بیجہ

نویں صدی ہجری میں نامور شاعرہ اور ستارہ شناس گزری ہے۔ ہرات کی رہنے والی تھی اور مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی (المتوفی ۸۹۸ھ) کی ہم عصر تھی۔ شعر و سخن میں مولانا جامی سے اس کی اکثر نوک جھونک رہتی تھی۔ ہرات میں اس نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اس کا شوہر فوت ہوا تو ایک دردناک مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

کوکبِ بختم کہ بود از وے منور آسماں
بنگر اے ماہ کز فراقت در زمیں است ایں زماں

(مشاہیر نسواں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک عابدِ شب بیدار، زاہدِ خشک اور خدا ترس بادشاہ تھا۔ اس کو عورتوں کی تعلیم و تربیت سے بڑی دلچسپی تھی اس نے دربارِ عام کی طرح اپنے محلسرا میں ایک شاہی دربار قائم کیا تھا جس میں عورتیں حکومت کے مختلف مناصب کے فرائض انجام دیتی تھیں اس کے علاوہ ان کو مختلف فنون اور ہنر سکھائے جاتے تھے مثلاً زرگری، آہن گری، مخمل بافی، جامہ بافی، خیاطی، نجاری، کفش دوزی، تیر گری، کمان گری، برتن سازی وغیرہ۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کے محل میں ایک ہزار کنیزیں حافظاتِ قرآن تھیں وہ اکثر تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتی تھیں۔ بادشاہ نے ان کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جس وقت وہ لباس تبدیل کر رہا ہو وہ سب مل کر پورا قرآن مجید ختم کر لیں۔ اس نے اپنے اہلِ حرم کو ہدایت دے رکھی تھی کہ نمازِ تہجد کے وقت اس کے منہ پر پانی چھڑک کر بیدار کر دیں اگر وہ نہ جاگے تو زور زور سے اس کو ہلائیں پھر بھی نہ جاگے تو ہاتھ سے پکڑ کر بزور اس کو اٹھا دیں۔

(ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ تاریخ فرشتہ)

ملکہ بی بی راجی

نویں صدی ہجری میں نہایت دانشمند، خداترس، دیندار، مخیر اور علم دوست خاتون گزری ہے۔ وہ دلی کے فرمانروا خاندان سادات سے تعلق رکھتی تھی اور اس خاندان کے بانی سید خضر خاں (۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء تا ۸۲۴ھ ۱۴۲۰ء) کی پوتی تھی۔ سید[1] خاندان کا تیسرا فرمانروا محمد شاہ (۸۲۴ھ ۱۴۲۰ء تا ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء) اس کا حقیقی بھائی تھا۔ اس کی شادی شاہانِ شرقی جونپور کے سلسلے کے چوتھے فرمانروا سلطان محمود شاہ سے ہوئی تھی جس نے مملکتِ جونپور پر ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء سے ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء تک حکومت کی[2]۔

---

[1] خاندانِ تغلق جو ہندوستان پر ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء سے ۸۱۳ھ ۱۴۱۱ء تک حکمران رہا اس کے زوال کے بعد سید خاندان دلی کے تاج و تخت کا مالک ہوا۔ اس خاندان کا بانی سید خضر خاں تھا جو سید سلیمان کا بیٹا تھا۔ سید سلیمان، فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء تا ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء) کی طرف سے ملتان کا گورنر تھا۔ اس کی وفات کے بعد سید خضر خان ملتان کا گورنر بنایا گیا۔ ۸۰۰ھ ۱۳۸۹ء میں تیمور کے ہندوستان پر حملے کے بعد تغلق حکومت کی جڑیں بالکل کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ سید خضر خاں نے اس خاندان کے آخری فرمانروا دولت خاں لودی کو زیر کر کے ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں دلی پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان کی حکومت سید خاندان میں منتقل ہو گئی۔ سید خضر خاں کے بعد اس کا بیٹا معزالدین مبارک شاہ ۸۲۴ھ ۱۴۲۰ء میں بادشاہ بنا۔ اس نے ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء میں وفات پائی تو اس کا بھتیجا سید محمد شاہ تختِ حکومت پر بیٹھا۔ بی بی راجی اسی سید محمد شاہ کی بہن تھی۔ سید محمد شاہ کے عہدِ حکومت (۸۴۲ھ ۱۴۳۷ء) میں شمس الدین ابراہیم شاہ شرقی والی جونپور نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دلی پر چڑھائی کر دی۔ سلطان سید محمد شاہ نے اپنے آپ کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں بہلول لودی نے دلی پر قبضہ کر لیا تو ملکہ بی بی راجی کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ دلی کی سلطنت کو اپنی خاندانی وراثت سمجھتی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سلطان محمود شاہ شرقی کو دلی پر حملہ اور قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ سلطان محمود شاہ نے کچھ عرصہ تیاری میں گزارا اور ۸۶۲ھ (۱۴۵۷ء) میں ایک زبردست فوج لے کر دلی کی طرف بڑھا۔ شمس آباد کے قریب بہلول لودی کا لشکر اس کے مقابل ہوا اور کئی دن تک دونوں فوجوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ محمود شاہ نے قضائے الٰہی سے وفات پائی۔ ملکہ بی بی راجی نے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بہلول لودی سے صلح کر لی اور اپنے بڑے بیٹے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کمزور محسوس کرتے ہوئے اس سے صلح کر لی اور اپنی بہن بی بی راجی کی منگنی اس کے فرزند شہزادہ محمود سے کر دی۔ کچھ مدت بعد شہزادہ محمود اور بی بی راجی کی شادی دلی میں بڑی شان و شوکت سے انجام پائی۔ محمد شاہ کی وفات (۸۴۷ھ/۱۴۴۴ء) کے بعد علاؤالدین عالم شاہ بادشاہ بنا لیکن آٹھ سال بعد وہ تاج و تخت سے دست بردار ہو گیا اور بہلول لودی ہندوستان کا فرمانروا بن گیا۔ (تاریخ ہند۔ "نگار" فرمانروایان اسلام نمبر)

۲؎ جونپور بھارت کے صوبہ اتر پردیش کا ایک شہر اور ضلع ہے۔ اس شہر کی بنیاد سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۶۰ھ (۱۳۵۹ء) میں رکھی تھی۔ ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے عہدِ حکومت کے آغاز (۷۹۵ھ/۱۳۹۲ء) میں مشرقی اضلاع کے ہندوؤں نے سلطنتِ دلی سے سرکشی اختیار کر لی۔ ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) میں محمود شاہ تغلق کے خواجہ سرا ملک سردار خواجہ جہاں نے بادشاہ سے سلطان الشرق کا خطاب حاصل کر کے مشرقی اضلاع پر یلغار کی اور کول (علی گڑھ) اٹاوہ، قنوج اور جونپور پر قبضہ کر کے ایک خود مختار بادشاہ بن کر بیٹھ گیا۔ اس بادشاہت کا دارالحکومت جونپور تھا۔ بعد میں اس نے بہار اڑیسہ اور روہیل کھنڈ کے کئی اور علاقے بھی اپنی سلطنت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھیکن خان کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ بھیکن خان ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء میں محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت حکومت پر بیٹھ گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بی بی راجی نے محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے اور بہلول لودی کے درمیان اس شرط پر صلح کرا دی کہ دونوں بادشاہ اپنے اپنے ملک پر حکمران رہیں۔ بہر صورت دونوں مملکتوں میں صلح ہو گئی۔

محمدؔ شاہ نے تخت نشینی کے فوراً بعد اپنے دو بھائیوں شہزادہ حسن خاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں شامل کر لیے اور یہ ایک طاقتور اور خوشحال مملکت بن گئی۔ خواجہ جہاں کی وفات (۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء) کے بعد جو بادشاہ جونپور کے تختِ حکومت پر بیٹھے ان کے نام یہ ہیں:

مبارک شاہ ———— ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء

شمس الدین ابراہیم شاہ بن مبارک شاہ ———— ۸۰۳ھ ۱۴۰۰ء

محمود شاہ بن ابراہیم شاہ ———— ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء

محمد شاہ بن محمود شاہ ———— ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء

حسین شاہ بن محمود شاہ ———— ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء

۸۸۱ھ ۱۴۷۶ء میں لودی خاندان نے جونپور فتح کر کے اسے سلطنتِ دلی میں شامل کر لیا۔

شاہانِ شرقی کے عہدِ حکومت میں جونپور میں مختلف علوم و فنون کو زبردست فروغ حاصل ہوا اور اس عہد میں بڑے بڑے علماء، صلحاء، شعراء، ادباء، اطباء اور دوسرے اربابِ کمال پیدا ہوئے اسی لیے یہ شہر "شیرازِ ہند" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔

("نگار" لکھنؤ فرمانروایانِ اسلام نمبر۔ تاریخ ہند۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ تذکرہ مشائخ شیرازِ ہند)

اور شہزادہ قطب خاں کو قید کر دیا (کیونکہ وہ ان کو تخت کے دعویدار سمجھتا تھا) پھر اس نے جونپور کے کوتوال کو حکم بھیجا کہ ان دونوں شہزادوں کو قید خانے میں قتل کر دو۔ بی بی راجی کو خبر ہوئی تو اس نے ایک طرف تو کوتوال کو اس حکم کی تعمیل کرنے سے منع کیا اور دوسری طرف محمد شاہ کو پیغام بھیجا کہ اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ نہ رنگو اور اپنا حکم واپس لو۔

اس کے جواب میں محمد شاہ نے والدہ کو کہلا بھیجا کہ آپ خود مجھ سے آکر ملیں تاکہ باہمی صلاح و مشورہ سے سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اس پر بی بی راجی محمد شاہ سے ملاقات کے لیے جونپور سے چل پڑی لیکن ابھی وہ قنوج ہی پہنچی تھی کہ جونپور کے کوتوال نے شہزادہ حسن خاں کو قتل کرا دیا۔ (قیاس یہ ہے کہ محمد شاہ نے در پردہ کوتوال پر حسن خاں کو فوراً قتل کرنے کے لیے زور ڈالا کیونکہ وہ حسن خاں کے وجود کو اپنے تخت کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا تھا) حسن خاں کے قتل کی خبر بی بی راجی کے لیے سخت غم اور غصے کا باعث ہوئی۔ وہ بڑی جہاندیدہ خاتون تھی اور امورِ سیاست سے بخوبی آگاہ تھی۔ فوراً جونپور واپس آئی، اپنے دوسرے بیٹوں اور سلطنت کے قدیمی نمک خوار امراء کو جمع کیا اور اتفاق رائے سے محمد شاہ کی معزولی اور شہزادہ حسین خاں کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ محمد شاہ نے مقابلے کی تیاری کی لیکن اس کے بیشتر حامی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ راجگیر کے قریب اپنی حفاظت میں تنہا لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کا زمانہ حکومت صرف پانچ ماہ ہے۔

اب حسین خاں نے حسین شاہ کا لقب اختیار کیا اور بی بی راجی کے تعاون سے طویل عرصہ تک جونپور پر حکومت کرتا رہا۔

بی بی راجی نے ۸۸۲-۸۳ھ (۱۴۷۷ء) میں اٹاوہ کے مقام پر وفات پائی۔ اس وقت حسین شاہ کا آفتابِ اقبال گہنا چکا تھا اور وہ بہلول لودی کے طالع بیدار کے سامنے بے بس ہو چکا تھا۔ اسی بے بسی نے اس کو جونپور چھوڑ کر بنگال

جانے پر مجبور کر دیا جہاں اس نے ۹۰۵ھ (۱۵۰۰ء) میں دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔

ملکہ بی بی راجی نے تعلیم اور رفاہِ عامہ کے میدان میں جو مہتم بالشان کارنامے انجام دیئے ان کی بناء پر اس کو مملکت جونپور کے عوام (بالخصوص خواتین) کی محسنۂ اعظم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسے جس طرح دین سے گہرا لگاؤ تھا اسی طرح علم کی اشاعت سے بھی بے انتہا شغف تھا۔ اس نے نہ صرف شہر جونپور میں عالیشان مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں وغیرہ تعمیر کروائیں بلکہ مملکت کے دوسرے متعدد مقامات پر بھی مسجدیں، مدرسے، مہمان خانے اور پل وغیرہ بنوائے۔ ان کے علاوہ اس نے بعض بزرگوں کے مقبرے بھی تعمیر کروائے۔ اگرچہ اس کی بنوائی ہوئی بیشتر عمارتیں انقلابات زمانہ کا شکار ہو چکی ہیں پھر بھی چند ایک ابھی تک باقی ہیں اور لوگوں کو اس کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسجد لال دروازہ جونپور ——— یہ شہر کے موجودہ محلہ بیگم گنج (لال دروازہ) میں ہے۔ اسے بی بی راجی نے ۸۵۱ھ (۱۴۴۷ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ اسے فنِ تعمیر کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ اس کا ایک وسطی برج اور باب معبد ہے اور اس کے عرضی حصے اونچے اور کڑیوں والے ہیں۔ اس کی درمیانی منزل میں وسطی کھانچے کے پہلو میں زنانہ غلام گردشیں ہیں جو اس غرض سے بنوائی گئیں کہ باپردہ خواتین ان میں بیٹھ کر وعظ و درس سن سکیں اور عبادت و ریاضت کر سکیں۔

۲۔ جونپور سے کچھ فاصلے پر ایک مسجد جس کے قریب ایک ندی بہتی تھی۔ اس مسجد کو مسجد بی بی راجہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ موضع سید علی پور ——— یہ گاؤں بی بی راجی نے اپنے پیر و مرشد مخدوم سید علی داؤدؒ سے اظہارِ عقیدت کے طور پر بسایا تھا۔

۴۔ درگاہ سلیمان ——— یہ جونپور کے مشہور صوفی بزرگ سید سلیمان شاہؒ

کا روضہ ہے جو بی بی راجی نے بڑی عقیدت اور محبت سے تعمیر کرایا۔ یہ ۶۵ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کا گنبد بہت بڑا اور عالی شان ہے۔

۵۔ بنارس کی ڈھائی کنگرہ مسجد جو ایک چوک میں بڑی بلندی پر واقع ہے۔

ان کے علاوہ بی بی راجی کی بنوائی ہوئی جو عمارتیں مٹ گئی ہیں ان میں سے جن کا ذکر مؤرخین نے صراحت کے ساتھ کیا ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ خواتین کی تعلیم کے لیے ایک درسگاہ ـــــ اس درسگاہ میں تعلیم پانے والی خواتین کے لیے لال دروازہ مسجد کی درمیانی منزل میں زنانہ غلام گردشیں بنائی گئیں۔ یہ درسگاہ مسجد سے ملحق تھی۔

۲۔ محل نماز گاہ ـــــ اس کے ساتھ عام شائقینِ علم کے لیے ایک مدرسہ، ایک مہمان خانہ، ایک حوض اور ایک باغ بھی تھا۔

۳۔ محل بی بی راجی ـــــ یہ جامع مسجد جونپور کے قریب تھا۔ اس کا طول ۱۹۰ فٹ اور عرض ۱۴۰ فٹ تھا۔

۴۔ جونپور سے کچھ فاصلے پر ایک ندی کے کنارے ایک محل کے کچھ رہائشی کمرے، اور ندی پر پُل۔

۵۔ مخدوم سید علی داؤد جونپوریؒ کے لیے ایک خانقاہ

یہ سب عمارتیں یا تو یکسر معدوم ہو چکی ہیں یا ان کے کھنڈر رہ گئے ہیں۔ سکندر لودی نے اپنے زمانے میں شاہان شرقی کی بنوائی ہوئی بے شمار عمارتیں (مساجد اور مقدس مقامات کو چھوڑ کر) مسمار کرا دیں۔ ان میں سے کتنی ہی عمارتیں بی بی راجی کی بنوائی ہوئی تھیں۔ بی بی راجی علماء و فضلاء اور دوسرے اربابِ کمال کی بے حد قدر دان تھی۔ وہ ان کو نہ صرف باقاعدگی سے معقول وظیفے دیتی تھی بلکہ گراں بہا انعامات بھی دیتی رہتی تھی۔ تحصیلِ علم کا شوق رکھنے والوں کی وہ نہایت فراخ دلی سے سرپرستی کرتی تھی۔ اس کے قائم کیے ہوئے مدرسوں میں بے شمار طلبہ تعلیم پاتے تھے وہ ان کو وظیفے دیتی تھی اور دوسرے

اخراجات کی بھی کفالت کرتی تھی۔ وہ تعلیم نسواں کی بہت حامی تھی۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے بطورِ خاص ایک بڑی درسگاہ قائم کی اور ایسے اقدامات کیے کہ وہ باپردہ رہتے ہوئے بھی تمام علوم متداولہ (خصوصاً دینی علوم) کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں۔

بی بی راجی نے خواتین کی سہولت کے لیے اسلامی مہینوں کے نئے نام بھی رائج کیے تاکہ اَن پڑھ اور کم تعلیم یافتہ عورتیں بھی قمری مہینوں کے مطابق حساب کرسکیں۔ ان ناموں کی تفصیل یہ ہے:

محرم کے لیے داہا	رجب کے لیے مہہ رجب
صفر کے لیے تیرہ تیزی	شعبان کے لیے شبرات
ربیع الاول کے لیے بارہ وفات	رمضان کے لیے روزہ
ربیع الآخر کے لیے بڑے پیر	شوال کے لیے عید
جمادی الاولیٰ کے لیے مدار	ذیقعدہ کے لیے خالی
جمادی الاخریٰ کے لیے خواجہ مدین	ذی الحجہ کے لیے بقرعید

بی بی راجی کے رائج کیے ہوئے کچھ مہینوں کے نام تو اتنے مقبول ہوئے کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی رواج پا گئے مثلاً تیرہ تیزی، بارہ وفات شبرات، عید، بقرعید۔

بی بی راجی بہت خوش عقیدہ خاتون تھی اور اہل اللہ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ اس نے اپنے دَور کے ایک نامور صوفی بزرگ مخدوم سید علی داؤد جونپوری کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ وہ ان کا حد سے زیادہ ادب واحترام کرتی تھی اور ان کی خدمت کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈتی رہتی تھی۔

(مشاہیر نسواں، تاریخ فرشتہ، تذکرہ مشائخ شیراز ہند، "نگار" فرمانروایانِ اسلام نمبر، تاریخ لودی، دائرہ معارفِ اسلامیہ)

مہری خاتون

نویں صدی ہجری کی شہرہ آفاق تُرک شاعرہ ہے۔ اصل نام مہر ماہ تھا۔ وہ ایشیائے کوچک کے شہر اماسیہ کی رہنے والی تھی۔ تمام علوم متداولہ اور شعروادب میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ بڑے بڑے علماء، شعراء اور مدبرانِ ملک سے اس کی مراسلت ومکاتبت ہوتی رہتی تھی۔ سب اس کے کمالات علمی اور دانش وحکمت کے معترف تھے۔ بڑے بڑے امراء ورؤسا نے اس کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن اس نے محض اس خیال سے منظور نہ کیا کہ اس کے علمی مشاغل میں حرج ہوگا۔ چنانچہ اس کی تمام زندگی تجرّد میں گزر گئی۔ اگرچہ اس کی شاعری میں روایتی "گل وبلبل" کا رنگ پایا جاتا ہے اور کئی رومانی قصے بھی اس سے منسوب کیے جاتے ہیں لیکن تمام ترک سوانح نگاروں کا اس کی عفت اور پاک دامنی پر اتفاق ہے۔ وہ اپنی شاعری میں اپنے اندرونی جذبات کا بے روک ٹوک اظہار کرتی ہے اور اپنی نسوانیت کو دبانے کی مطلق کوشش نہیں کرتی۔ اس طرح اس نے اپنے کلام میں ایک عورت کی روح کو پوری طرح سمو دیا ہے۔ اس کا کلام فصاحت وبلاغت، اندازِ بیان، بے ساختگی اور برجستگی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا اور کوئی دوسری ترک شاعرہ اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ مہری خاتون نے ۹۱۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ اماسیہ میں اس کا مقبرہ آج بھی موجود ہے اس میں فاتحہ خوانی کے لیے آنے والوں کی بہت رونق رہتی ہے۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک وہ ایک خدا رسیدہ خاتون تھی۔ مہری خاتون نے ایک دیوان اور کئی منظوم رسائل اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک روایت کے مطابق اس نے فقہ وفرائض پر بھی کچھ رسائل تصنیف کیے تھے۔

(مشاہیر نسواں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

آفاق بیگم

ماوراء النہر کے بادشاہ سلطان مرزا ابوسعید گورگان (۸۵۲ھ تا ۸۷۳ھ)[1] کی بیٹی تھی اور سلطان حسین بایقرا[2] کی پہلی بیوی۔ نہایت باسلیقہ، دانشمند اور باشعور خاتون تھی۔ عرصہ تک اس کی کوئی اولاد نہ ہوئی تو اس نے اپنی ایک منہ بولی بہن سے اپنے شوہر کی دوسری شادی کرادی۔ اس بیوی سے سلطان حسین بایقرا کے نو لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان سب کو آفاق بیگم نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور ان کی ایسی عمدہ تربیت کی کہ نہ حقیقی ماں سے ممکن تھی اور نہ کسی اور سے۔ سب اہلِ خاندان اور دوسرے لوگوں

---

[1] اس کا تعلق تیموری خاندان سے تھا۔ عراق فارس اور خراسان کا حکمران تھا۔ علم دوست انسان تھا۔ مولانا جامیؒ نے ایک مثنوی میں اس کی مدح اس طرح کی ہے:

شاہ سلطان ابوسعید کہ ہست | آسماں پیش قصر قدرش پست
پشت بر پشت شاہ و شاہ فشاں | چاوشانش زجاہ شاہ وشاں

[2] مرزا ابوسعید گورگان کے بعد مشرقی ایران کے تختِ حکومت کا مالک سلطان حسین بایقرا ہوا۔ ایران کے حکمرانوں میں وہ بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ ہوا ہے۔ اس کا سلسلۂ نسب امیرزادہ عمر شیخ کے واسطہ سے امیر تیمور تک پہنچتا ہے۔ ایران میں خاندانِ تیموریہ کا آخری بادشاہ تھا۔

مدتِ حکومت پینتیس برس ہے (۸۷۳ھ تا ۹۰۸ھ) وہ نہایت عدل گستر، رعیت پرور اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کا پایۂ تخت ہرات سلطان محمود غزنویؒ کے عہد کا غزنی بن گیا۔ سلطان کی داد و دہش اور معارف پروری

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے اُس کی اس کاوش اور ایثار کی تعریف وتحسین کی اور اس کو انتہائی احترام اور عقیدت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ظہیر الدین محمدؒ بابر بادشاہ آفاق بیگم کا بھتیجا تھا۔ ایک دفعہ وہ اس سے ملنے گئی تو بابر نے اس کے سامنے دیدۂ دل فرشِ راہ کر دیئے اور اس کی حد سے زیادہ خاطر تواضع کی۔ بابر اکثر آفاق بیگم کی تعریف کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ "آفاق بیگم بڑی وفادار اور مہربان خاتون ہے۔" جب اس کا شوہر بیمار ہوا تو اس نے حرم کی تمام بیگمات سے بڑھ کر اس کی خدمت اور خبر گیری کی۔"

سلطان حسین بایقرا نے سنہ ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔ آفاق بیگم اس کے بعد چھبیس برس تک حیات رہی اور سنہ ۹۳۴ھ میں فوت ہوئی۔ بابرؒ نے اس وقت چندیری کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسی محاصرے کے دوران میں اس کو آفاق بیگم کی وفات کی خبر ملی۔ (ہمایوں نامہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ملک کے گوشے گوشے سے علماء، شعراء اور دوسرے اہلِ کمال کو ہرات کھینچ لائی تھی۔ سلطان خود شعر و ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتا تھا اور فارسی و ترکی دونوں زبانوں کا خوش گو شاعر تھا۔ فارسی میں حسینیؔ تخلص کرتا تھا۔ اس نے مجالس العشاق کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس میں بہت سے نامور بزرگوں اور اربابِ کمال کے حالات شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیے۔ مولانا جامیؔؒ نے اس کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں۔ مولاناؒ نے سنہ ۸۹۸ھ میں وفات پائی تو سلطان جنازے میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوا۔

سلطان حسین بایقرا نے سنہ ۹۰۸ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

بی بی بیگی

امیر علی جلایر کی بیٹی اور امیر علی شیر نوائی [1] (المتوفی ۹۰۶ھ) کے بھائی امیر درویش علی کی اہلیہ تھی۔ نہایت علم دوست اور مخیّر خاتون تھی۔ اس دور کے بہت سے ارباب فضل و کمال اس سے وظیفہ پاتے تھے۔ وہ نقد کے علاوہ اناج کی صورت میں بھی ان کی مدد کرتی تھی۔ مشہور شاعر ملّا آصفی شیرازی جو بی بی بیگی کے وظیفہ خواروں میں تھا، ایک دفعہ اس کو مقرّرہ غلہ نہ پہنچا تو اس نے بیگم بیگی کو یہ قطعہ لکھ بھیجا:

ایا عروس خطا بخش و جرم پوش بگو
کہ کے وظیفۂ مارا قرار خواہی داد
بوقت غلّہ مرا گفتہ کہ بار دہم
سرم فدائے درت چند بار خواہی داد

بی بی بیگی نے یہ قطعہ پڑھا تو خوش ہو کر آصفی شیرازی کو دو گنا غلّہ عنایت کیا۔

---

[1] امیر علی شیر نوائی، سلطان حسین بالقرا (والئ ایران شرقی) کے اکابر امراء میں سے تھا اور سلطان کی طرف سے اس کو رکن السلطنت، اعتماد الملک والدولہ اور مقرب حضرت السلطانی خطابات ملے ہوئے تھے۔ گویا اس کی حیثیت وزیر اعظم کی تھی۔ امیر موصوف نہ صرف خود عالم و فاضل تھا بلکہ ارباب علم و ہنر کی سرپرستی اور قدر دانی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ فارسی اور ترکی زبانوں کا نغز گو شاعر بھی تھا۔ ترکی میں نوائیؔ اور فارسی میں فانیؔ تخلص کرتا تھا۔ مولانا جامیؔ اس کے ہمعصر تھے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بی بی بیگی شعراء کی سرپرست ہی نہیں تھی بلکہ خود بھی ایک نغز گو شاعرہ تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

اشکے کہ سر ز گوشۂ چشمم برون کند
بر روئے من نشیند و دعوای خون کند

آہ ازاں زلفے کہ دارد رشتۂ جاں تاب ازو
وائے بر لعلے کہ ہر دم مے خورد خوں ناب ازو

آبے کہ فلک بہ لب چکاند مارا
سرگشتہ بہ بحر و بر دواند مارا
اے کاش بمنزلے رساند مارا
کز ہستئ خود باز رہاند مارا

(مشاہیر نسواں بحوالہ جوہر العجائب)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اور وہ ان کا بے حد مداح اور قدر دان تھا۔ ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء میں ہرات میں پیدا ہوا اور ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء میں اسی شہر میں وفات پائی۔

اس نے بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

تذکرۃ المجالس۔ تاریخ ملوک العجم۔ تاریخ انبیاء۔ خمسۃ المتحیرین۔ محبوب القلوب رسالہ عروضیہ۔ مثنوی لسان الطیر۔ مثنوی فرہاد و شیریں۔ مثنوی سبعہ سیارہ

بی بی زینبؒ بنتِ سلیمان

سلیمان بن ابراہیم بن رحمۃ الاشعریہ کی صاحبزادی تھیں۔ فنِ حدیث میں یکتائے روزگار تھیں۔ پہلے شام میں درس دیتی رہیں۔ پھر مصر چلی گئیں اور وہیں درس وتدریس میں زندگی گزار دی۔ ان کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے لوگ انہیں "مسندۃ الدمشقیہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ (مشاہیر النساء)

بی بی زینبؒ بنتِ عبداللہ الازہری

علمِ حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں اور ان کے علم وفضل کی تمام عالمِ اسلام میں شہرت تھی۔ وہ ان خواتین میں سے ایک ہیں جن سے امام سیوطیؒ نے کسبِ فیض کیا۔

سنہ ۸۷۰ھ میں پیدا ہوئیں ـــ سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

(مشاہیر النساء)

بی بی عائشہؒ بنتِ شہاب الدینؒ

اہلِ سیر نے اُن کا ذکر بالعموم "بنت العجمی" کے نام سے کیا ہے۔ قاضی القضاۃ شہاب الدینؒ بن جعفر احمد العجمی کی صاحبزادی تھیں۔ سنہ ۸۱۰ھ میں پیدا ہوئیں اور علومِ مروجہ میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اپنے ہمعصروں پر گوئے سبقت لے گئیں۔ ان کی مجلسِ درس سے بڑے بڑے علماء وفضلاء فیض یاب ہوئے۔

(مشاہیر نسواں)

گیتی آرا بیگم

امیر تیمور (۷۷۱ھ / ۱۳۶۹ء تا ۸۰۷ھ / ۱۴۰۴ء) کے زمانے میں علی مردان خان زابلستان کا حکمران تھا۔ گیتی آرا بیگم اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ۷۸۰ھ / ۱۳۷۸ء میں پیدا ہوئی۔ علی مردان خان نے گیتی آرا بیگم کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ وہ بڑی ذہین و فطین لڑکی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے تمام مروجہ علوم میں دسترس حاصل کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو مصوری کا بہت شوق تھا۔ اس نے یہ فن بھی بڑے شوق سے سیکھا اور بہترین مصورہ بن گئی۔ گیتی آرا بیگم کو مردانہ اور شجاعانہ کھیلوں سے بے حد دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے فن سپہ گری میں بڑی مہارت حاصل کر لی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے خواتین کے لیے ایک فوجی اسکول قائم کیا جس میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے بیس پچیس سال تک کی ناکتخدا خواتین کے لیے فوجی تربیت حاصل کرنا لازم قرار دیا گیا۔ چنانچہ چار ہزار کے قریب خواتین اس اسکول میں داخل ہو گئیں۔ شہزادی نے ان کے لیے بہترین اتالیق اور فوجی استاد مقرر کیے اور تمام طالبات کو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کر دیا گیا۔ اس طرح ایک اعلیٰ درجہ کی زنانہ فوج تیار ہو گئی۔ گیتی آرا بیگم کا ابھی عنفوان شباب تھا کہ علی مردان خان فوت ہو گیا۔ باپ کی موت نے شہزادی کو بڑی مشکل، صورت حال سے دوچار کر دیا۔ اس کے چچا نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ امرائے سلطنت اور مردانہ فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ گیتی آرا بیگم نے چچا کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی زنانہ فوج کو ساتھ لے کر اس کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا جس میں

بالآخر گیتی آرا بیگم کامیاب ہوئی۔ اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر بڑے تدبّر سے کام لیا اور اپنے مخالفین کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

اس زمانے میں امیر تیمور کا فرزند میراں شاہ سمرقند ترکستان اور ماوراء النہر کے کئی علاقوں کا حکمران تھا۔ اس نے گیتی آرا بیگم کی شجاعت اور دوسرے اوصافِ حمیدہ کا ذکر سنا تو اس کو شادی کا پیغام بھیجا۔ گیتی آرا بیگم نے چند شرائط پیش کیں میراں شاہ نے یہ شرطیں بخوشی منظور کر لیں۔ چنانچہ دونوں کی شادی ہو گئی۔ گیتی آرا بیگم نے اپنی مملکت میں رفاہِ عام کے لیے بے شمار کام کیے جن میں بہت سے مدرسوں، شفاخانوں، پُلوں اور سڑکوں کی تعمیر بھی شامل تھی۔ اس کے ساتھ اس نے ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرائے۔ محتاجوں، معذوروں، اور غریبوں کے لیے بہت سے لنگر خانے جاری کیے اور خواتین کی عام تعلیم کے لیے وسیع انتظامات کیے۔

گیتی آرا بیگم نے نویں صدی ہجری میں کسی وقت وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی متعدد تصویریں آج بھی عجائب خانۂ ایران میں محفوظ ہیں۔

(باکمال مسلمان عورتیں۔ شرف النّساء)

بی بی اسماءؒ بنتِ محمدؒ

شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن محدّثؒ کی صاحبزادی اور علاّمہ شیخ تقی الدینؒ کی والدہ تھیں۔ رجب ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئیں۔ مختلف دینی علوم بالخصوص علم حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ پہلے شوہر کے انتقال کے بعد انھوں نے علاؤ الدین مقریزی سے عقد کیا۔ مصر کی نامور عالمات میں شمار ہوتی ہیں۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔

(تذکرۃ الخواتین)

ملکہ اَمَۃُ الحبیب

امیر تیمور گورگان (۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء تا ۸۰۷ھ/۱۴۰۴ء) کی بیگم تھی۔ والد کا نام یزدانی تھا جو چوتھے عثمانی فرمانروا سلطان بایزید اوّل (۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء تا ۸۰۷ھ/۱۴۰۴ء)[1] کی فوج کا ایک جرنیل تھا۔ امۃ الحبیب ترکستان میں پیدا ہوئی۔ والد نے اس کو دوسرے علوم کے علاوہ شہسواری اور فنونِ سپہگری سکھانے کا بھی خاص اہتمام کیا چنانچہ جوان ہوکر وہ اپنے باپ کا دست و بازو بن گئی اور کئی فوجی مہموں میں اس کے ساتھ شریک ہوئی۔ ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء میں امیر تیمور نے سلطنتِ عثمانیہ پر یلغار کی تو سلطان بایزید نے انگورہ (ANKARA) کے مقام پر اس کا پُرجوش مقابلہ کیا۔ ترک فوج میں یزدانی بھی اپنی بیٹی اَمَۃُ الحبیب کے ساتھ شامل تھا۔ ترک فوج کی جانبازی کے باوجود

---

[1] سلطان بایزید اوّل اپنے والد سلطان مراد اوّل کی شہادت کے بعد ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ اپنی دلاوری اور بے خوفی کی وجہ سے وہ لوگوں میں "یلدرم" (بجلی کا کڑکا) کے لقب سے مشہور ہوگیا تھا۔ اس نے بوسینا، سرویا، اور رومانیہ کو مسخر کیا۔ بوسینا، سرویا، رومانیہ اور ہنگری کی متحدہ فوجوں کو شکست دی، ایشیائے کوچک کی تمام ریاستوں کو پوری طرح مطیع کیا اس کے بعد اس کا ارادہ یورپ کے کئی ملکوں پر یلغار کرنے کا تھا کہ ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء میں امیر تیمور نے سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ کر دیا۔ بایزید نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن فوج کی قلت اور کچھ تاتاری دستوں کی غداری کی وجہ سے شکست کھائی۔ تیمور نے بایزید کو گرفتار کر کے محبوس کر دیا اور آگے بڑھ کر بروصہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان بایزید نے آٹھ ماہ کے بعد قید ہی میں وفات پائی۔ اس کی موت پر یورپ کے عیسائی فرمانرواؤں نے بہت خوشیاں منائیں کیونکہ وہ اس کے وجود کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔

قسمت نے سلطان بایزید کا ساتھ نہ دیا اور اس نے شکست کھائی۔ امیر تیمور نے سلطان بایزید سمیت ترک فوج کے سینکڑوں سپاہیوں اور افسروں کو گرفتار کر لیا۔ امیر تیمور فطری طور پر بڑا سخت دل واقع ہوا تھا اس نے سلطان بایزید کو لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں محبوس کر دیا اور دوسرے تمام قیدیوں کے قتل کا حکم صادر کیا۔ ان قیدیوں میں اَمۃُ الحبیب بھی شامل تھی۔ اس وقت اس نے مردانہ فوجی لباس پہن رکھا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طریقے سے امیر تیمور کے سامنے پہنچ گئی اور اس کے سامنے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی جس میں اس کو آخرت کا خوف دلایا اور اسیرانِ جنگ کے ساتھ نرم سلوک کرنے کی ترغیب دی۔ یہ تقریر کرنے کے بعد اس نے اپنا آہنی خود سر سے اتار کر زمین پر پٹک دیا اور امیر تیمور سے مخاطب ہو کر کہا:

> "اے بادشاہ! میری طرف دیکھ میں ایک عورت ہوں اور موت سے بالکل نہیں ڈرتی۔ مجھے اور میری قوم کے سپاہیوں کو قتل کر کے تیرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ جس قوم میں مجھ جیسی عورتیں ہوں وہ کبھی نہیں مر سکتی۔"

اَمۃُ الحبیب کی تقریر ایسی مؤثر تھی کہ امیر تیمور جیسے شخص کا دل بھی موم ہو گیا۔ اس نے اَمۃُ الحبیب اور دوسرے ترک قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا (البتہ بایزید کو اس نے رہا نہ کیا) رہا ہونے والے قیدیوں میں اَمۃُ الحبیب کا باپ بھی تھا۔ امیر تیمور نے اس سے اَمۃُ الحبیب کا رشتہ مانگ لیا جو اس نے منظور کر لیا اور یوں وہ بادشاہ بیگم بن گئی۔ امیر تیمور نے اس کو حمیدہ بانو بیگم کا خطاب دیا۔ اَمۃُ الحبیب سے شادی کے بعد امیر تیمور صرف تین سال زندہ رہا اور ۸۰۷ھ میں فوت ہو گیا۔ اَمۃُ الحبیب کے بطن سے اس کی جو اولاد ہوئی وہ زندہ نہ بچی۔ بیوہ ہونے کے بعد اس کے سوتیلے بیٹے نے اس کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر وہ سمرقند سے طفلس چلی گئی لیکن وہاں بھی حالات ناساز گار پائے۔ آخر اس نے

قسطنطنیہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی اور وہیں اکسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اَمَتُہُ الحبیب بڑی دانا اور علم دوست خاتون تھی۔ وہ دنیا کی کئی زبانیں جانتی تھی مثلاً ترکی، عربی، فارسی اور چینی۔ وہ یہ زبانیں نہ صرف روانی سے بولتی تھی بلکہ ان میں لکھ بھی سکتی تھی۔ اس نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن یہ سب حوادث زمانہ کا شکار ہو گئیں۔

(تاریخ اسلام۔ خلافت عثمانیہ۔ شرف النساء ''نگار'' لکھنؤ سالنامہ ۱۹۵۲ء مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

بی بی آسیہؒ بنتِ جار اللہ

نویں صدی ہجری میں علم حدیث کی بہت بڑی عالمہ ہوئی ہیں۔ سنہ ۷۹۰ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام جار اللہ بن صالح بن ابی المنصور تھا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بی بی آسیہؒ کو بھی اپنے اشیاخ میں شمار کیا ہے اس سے ان کے مرتبۂ علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے فرزند محمد بن الفیا نے بھی ان سے کسبِ فیض کیا اور مدتوں مکہ کے قاضی رہے۔

سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی فاطمہؒ بنتِ احمد

احمد الحسینی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کی نامور عالمات حدیث میں ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی علمِ حدیث میں ان سے کسبِ فیض کیا ہے۔ (مشاہیر نسواں)

دولت ایساں

میر شیر علی بیگ توچین کی بیٹی اور ظہیر الدین محمدؒ بابر بادشاہ کی نانی تھی۔ نہایت دانشمند، صائب الرائے اور باہمت خاتون تھی۔

سنہ ۸۵۹ھ میں اس کی شادی یونس خان چغتائی سے ہوئی۔ دولت ایساں سے اس کے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، مہر نگار خانم، قتلق نگار خانم اور خوب نگار خانم۔ اس کا خاوند مسلسل تیس سال تک دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار رہا۔ وفادار اور نیک نہاد بیوی نے بڑے حوصلے اور استقلال کے ساتھ تمام مصیبتوں میں خاوند کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہر مصیبت میں اس کی شریک و ہمدم رہی۔ ان مصیبتوں سے قدرے چھٹکارا ملا تو اللہ کی طرف سے ایک اور آزمائش آگئی وہ یہ کہ یونس خان پر فالج گرا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ اس کی طویل بیماری میں دولت ایساں نے اس کی خدمت اور خبر گیری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

سنہ ۸۹۲ھ میں یونس خان نے وفات پائی تو دولت ایساں کو پہلے سے بھی زیادہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں چار مرتبہ دشمنوں کے ہاتھ پڑ کے چھٹ چھٹ گئی۔ سنہ ۸۴۰ھ میں بمقام کاشغر، سنہ ۸۷۷ھ میں بمقام تاشقند، سنہ ۹۰۳ھ میں بمقام اندجان اور سنہ ۹۰۴ھ میں بمقام سمرقند۔ سنہ ۹۰۰ ہجری میں بابر نے اس کو اندجان کی والیہ بنا دیا۔ وہ وہاں کا نظم ونسق بڑی بیدار مغزی اور انصاف کے ساتھ چلاتی رہی۔ بابر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ کوئی عورت ہوشمندی، دوراندیشی اور اصابتِ رائے میں دولت ایساں کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

اکثر اہم معاملات صرف اسی کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔

دولت ایساں نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ صحرا کی آزاد فضا میں گزارا تھا اور بعد میں بھی اس کو کئی بار صحرانوردی کرنی پڑی تھی اس لیے وہ شہری زندگی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے اپنی دلبستگی کے لیے اندجان میں ایک وسیع باغ بنوایا تھا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسی میں گزارتی تھی۔ دولت ایساں کی بیٹی قتلق نگار خانم عمر شیخ مرزا امیر انشاء سے بیاہی گئی تھی اسی کے بطن سے بابر بادشاہ پیدا ہوا۔ قتلق نگار خانم اپنے بیٹے کی اکثر لڑائیوں اور مہموں میں شریک رہی۔

دولت ایساں نے ۹۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ (ہمایوں نامہ)

بی بی رجبؒ

بی بی رجب رحمۃ اللہ علیہا نویں صدی ہجری میں بہت بڑی محدثہ گزری ہیں۔ والد کا نام شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر قلیجی تھا۔ ۸۰۰ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ والد نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ یہاں تک کہ جملہ علوم وفنون میں یگانۂ روزگار ہو گئیں بالخصوص علم حدیث میں بہت اونچا مقام حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے حدیث کا سبق لیا۔

بی بی رجبؒ نے ۸۶۹ھ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الخواتین)

ملکہ گوہر شاد آغا (بیگم)

ماوراء النہر کے نامور فرمانروا امیرزا شاہ رُخ (۸۰۷ھ تا ۸۵۰ھ / ۱۴۰۴ء ۱۴۴۷ء) پسرِ امیر تیمور کی ملکہ تھی۔ والد کا نام امیر الکبیر غیاث الدین تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ تاریخ اور ادب سے اس کو خاص شغف تھا۔ اپنے شوہر کی طرح علم و فن کی نہایت قدردان تھی اور اربابِ کمال کی فراخدلی سے سرپرستی کرتی تھی۔ میرزا شاہ رُخ نے ۸۰۷ھ میں تختِ نشین ہو کر ہرات کو اپنا دارالسلطنت مقرر کیا۔ جوں جوں اسے عروج حاصل ہوتا رہا ملکہ گوہر شاد آغا کا ستارۂ اقبال بھی بلند ہوتا رہا۔ دونوں میاں بیوی نے اپنی سلطنت میں مختلف علوم و فنون کی اشاعت میں خاص دلچسپی لی اور بہت سی مسجدیں اور مدرسے جن کو وحشی تاتاریوں نے تباہ و برباد کر ڈالا تھا، دوبارہ تعمیر کرائے۔ ان کے علاوہ متعدد نئی درسگاہیں اور مسجدیں بھی تیار کرائیں۔ ان میں مشہد کی جامع مسجد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ ملکہ گوہر شاد آغا نے یہ عالی شان جامع مسجد امام علی رضاؒ (المتوفّٰی ۲۰۳ھ) بن سیدنا موسیٰ کاظمؒ کے قبّے کے نزدیک بڑے اہتمام سے بنوائی۔ اس مسجد کا شمار دنیا کی عمدہ ترین مسجدوں میں ہوتا ہے۔

میر علی شیر نوائی نے "مجالس النفائس" میں لکھا ہے کہ اس جامع مسجد کے خطیب ایک نامور سنی العقیدہ عالم مولانا حاجی تھے۔ اس جامع مسجد کے علاوہ ملکہ نے امام علی رضاؒ کے احاطۂ مزار میں دو بڑے ایوان بھی تعمیر کرائے جو "دارالسیادت" اور "دارالحفّاظ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان ایوانوں کی دیواروں اور چھتوں پر نہایت نفیس اور دیدہ زیب کاشی کاری کی گئی ہے۔

ملکہ گوہر شاد آغا نے خاص دارالسلطنت ہرات میں بھی بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ مؤرخین نے ان عمارتوں میں سے ایک مدرسے، جامع مسجد اور بیت المغفرہ نامی مقبرے کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ عمارتیں جوئے انجیر کے کنارے ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں بننی شروع ہوئیں اور ۸۴۱ھ (۱۴۳۷ء) میں مکمل ہوئیں البتہ مدرسے میں تعلیم و تدریس کا کام ۸۳۶ھ (۱۴۳۲ء) ہی میں شروع ہوگیا اور ۸ صفر ۸۳۶ھ (۱۴۳۲ء) کو میرزا شاہ رخ نے خود اس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر فاضلِ دہر شیخ شہاب الدین بن شیخ رکن الدین بسطامی نے اس کے نام کا خطبہ پڑھا۔ معارف پرور ملکہ نے مدرسے اور جامع مسجد کے مصارف کے لیے کثیر آمدنی کے اوقاف قائم کیے۔ میرخواند نے "روضۃ الصفا" میں لکھا ہے کہ ملکہ گوہر شاد آغا کے قائم کیے ہوئے اس مدرسے میں فخر علماء سید اصیل الدین رح واعظ ہر ہفتے جا کر پند و نصیحت کیا کرتے تھے (یعنی پند و نصائح پر مبنی خطبہ دیا کرتے تھے۔) اسی مدرسے میں مولانا کمال الدین مسعود رح شروانی (جو علم منطق و حکمیات میں اعلم علماء تھے) اور مولانا خلیل اللہ بن فاضل سمرقندی جیسے شہرۂ آفاق عالموں نے سالہا سال تک درس دیا۔ افسوس کہ یہ عالیشان جامع مسجد اور مدرسہ باقی نہیں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ آج سے کوئی ایک صدی پہلے امیر عبدالرحمٰن والئ افغانستان نے ایک انگریز انجنیئر کے مشورے پر ان دونوں عمارتوں کو منہدم کرا دیا، البتہ ملکہ گوہر شاد آغا کا بنوایا ہوا مقبرہ بیت المغفرہ ابھی باقی ہے اس میں وہ خود، میرزا شاہ رخ اس کے بیٹے بایسنغر، محمد جوکی بہادر اور کچھ دوسرے تیموری شہزادے مدفون ہیں۔ اس کے علاوہ چار منارے بھی جو ان عمارات سے متعلق تھے، ابھی باقی ہیں، ان کی بلندی ۱۲۰ تا ۱۵۰ قدم ہے۔

میرزا شاہ رخ نے ۸۵۰ھ میں وفات پائی تو اس نیک ملکہ کا زوال شروع ہوگیا۔ اس کے پوتے میرزا عبداللطیف ابنِ میرزا الغ بیگ

نے اس کو محض اس بنا پر قید کر دیا کہ اس کی ہمدردیاں اس کے والد الغ بیگ کے بجائے اپنے دوسرے بیٹے میرزا علاؤالدولہ کے ساتھ ہیں۔ میرزا علاؤالدولہ نے مسلح جدوجہد کے ذریعے اپنی والدہ کو آزاد تو کرا لیا لیکن تختِ حکومت پر میرزا الغ بیگ نے قبضہ کر لیا۔ ۸۵۵ھ میں میرزا ابوسعید تختِ حکومت پر بیٹھا تو شروع شروع میں اس کے تعلقات ملکہ گوہر شاد آغا سے خوشگوار تھے لیکن بعد میں ملکہ کے مخالفوں نے اسے بہکایا کہ ملکہ اس کے دشمنوں سے ملی ہوئی ہے اور اس کے خلاف سازش کر رہی ہے۔ اس پر میرزا ابوسعید نے برافروختہ ہو کر ۹ رمضان المبارک ۸۶۱ھ (مطابق ۳۱ جولائی ۱۴۵۷ء) کو اس نامور خاتون کو قتل کرا دیا اور اس کا سارا اندوختہ لوٹ لیا۔

گیارہ سال بعد ۸۷۳ھ (۱۴۶۸ء) میں گوہر شاد آغا کے ایک پوتے میرزا یادگار محمد نے میرزا ابوسعید کو قتل کر کے اپنی جدہ کا انتقام لے لیا۔

(مشاہیرِ نسواں، روضۃ الصفا، تاریخ ایران براؤن۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۷)

بی بی خدیجہؒ بنت عبدالرحمٰنؒ

عبدالرحمٰنؒ بن احمد بن عبدالعزیز بن قاسم بن شہید الناطقؒ کی دختر نیک اختر تھیں۔ ۷۹۰ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا اور فارغ التحصیل ہو کر خود مجلسِ درس قائم کی۔ بے شمار لوگ ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ ان میں سے بعض نے عالمِ حدیث کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔

بی بی خدیجہؒ ۸۷۰ھ میں رہگرائے عالمِ بقا ہوئیں۔ (مشاہیر النساء)

بی بی اُمِّ ہانیؒ

حافظ تقی الدین محمد بن محمد بن فہد ہاشمی کی دخترِ نیک اختر تھیں۔
۱۸ ذیقعدہ ۸۱۷ھ کو پیدا ہوئیں۔ نہایت عالمہ اور فاضلہ تھیں۔
ان سے کسبِ فیض کرنے والوں میں امام جلال الدین سیوطیؒ بھی شامل ہیں انہوں نے اُمِّ ہانیؒ سے استناد بھی کیا ہے۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی اُمِّ الفتحؒ

احمدؒ بن کامل بن خلف بن شجرۃ بن منظور الشجری بغدادی کی صاحبزادی تھیں۔
علمِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھیں۔ بغداد میں عرصۂ دراز تک حدیث کا درس دیتی رہیں۔ ہزاروں لوگ ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ انہوں نے طویل عمر کے بعد ۸۸۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی آمنہؒ بنتِ موسیٰؒ

شرف الدین موسیٰؒ بن احمد بن محمد انصاری الدمہوجی محلی کی دخترِ نیک اختر تھیں۔
ان کا وطن مصر تھا اور وہ نویں صدی ہجری میں علمِ حدیث کی یگانۂ روزگار عالمات میں شمار ہوتی تھیں۔ ان سے حدیث کا درس لینے والوں میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی صفیہؒ بنتِ یاقوت

نویں صدی ہجری میں مشہور محدثہ گزری ہیں۔ سنہ ۸۰۴ھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد یاقوت بن عبدالملک ایک حبشی النسل مسلمان تھے۔ بی بی صفیہ نے اپنے دَور کے ایک یگانۂ روزگار عالمِ دین علّامہ نورالدینؒ سے تعلیم حاصل کی اور تفسیر حدیث اور فقہ میں درجۂ کمال تک پہنچ گئیں۔ پھر انہوں نے اپنی درسگاہ قائم کی اور عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

(مشاہیرِ نسواں)

بی بی زینبؒ بنتِ عبداللہ

عبداللہ الشنوعی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی کنیت اُمّ الخیر تھی۔ علمِ حدیث میں درجہ کمال پر فائز تھیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ بھی کچھ عرصہ ان کے حلقۂ درس میں شامل رہے۔ سنہ ۸۷۹ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء)

بی بی زینبؒ بنتِ احمدؒ

مکہ معظمہ کی رہنے والی تھیں۔ والد کا نام احمد بن محمّد تھا۔ بی بی زینب کا شمار نویں صدی ہجری کی باکمال عالمات میں ہوتا ہے۔ علمِ حدیث میں خاص دسترس رکھتی تھیں۔ اس دَور کے بڑے بڑے علماء نے ان سے حدیث کا درس لیا۔ ان کی کنیت اُمِّ حبیبہ تھی۔

(مشاہیر النساء)

بی بی مریمؒ بنتِ علیؒ

ان کی کنیت اُمِّ ہانی تھی۔

نورالدین ابوالحسن علیؒ بن قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن ہورینی شافعی کی صاحبزادی اور علامہ سیف الدین حنفیؒ کی والدہ تھیں۔

باختلاف روایت ۷۷۰ھ یا ۷۷۸ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ اوائل عمر ہی میں علم وفضل کے آثار ان کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ بچپن ہی میں انہوں نے قرآن حکیم اور نحو کی مشہور کتاب ملحہ اور فقہ شافعی کی مشہور کتاب مختصر ابی شجاع کو حفظ کر لیا اور رفتہ رفتہ نحو، فقہ اور حدیث میں یگانۂ روزگار ہو گئیں۔ پھر انہوں نے اپنی درسگاہ قائم کی اور مدت العمر علوم دین کی اشاعت میں مشغول رہیں۔

ان کے تلامذہ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار عالم کا نام بھی شامل ہے۔

شعروشاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ عربی کے ایک مشہور شعر

انا کنت لا تدری و غیرک لا یدری
اذا جن لیل ھل تعیش الی الفجر

(یعنی میں تو نہیں جانتا اور تیرے سوا کوئی جانتا بھی نہیں (کہ) جب رات کی تاریکی چھا جائے گی تو صبح تک زندگی رہتی ہے یا نہیں۔)

پر انہوں نے یہ اشعار تضمین کیے ہیں:

فکن حامد اللہ شاکر فضلہ	اللہ کی حمد اور اس کے فضل کا شکر کر
علی سائر الاحوال فی السر والجھر	ہر حال میں ظاہر میں اور باطن میں

وکن ساجد اللہ مادمت قادراً	جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر
لعلک تحظی بالسیادہ والفخر	شاید تجھ کو بزرگی اور فخر عنایت ہو
فیا ایہا الانسان لا تک جاھلا	اے انسان جہالت چھوڑ دے
واعلم بان اللہ ھو انکاشف الضر	اور سمجھ لے کہ اللہ ہی مصیبت دور کرتا ہے
حلیم کریم خالق الخلق کلھم	حلم وکرم والا سب کا پروردگار ہے
ورازقھم من غیر مل ولا ضجر	بلا تکلیف اور تنگی کے رزق دیتا ہے
وصل علی المختار اشرف خلقہ	اور درود بھیج اس کی مخلوقات کے سردار پر
علیہ سلام اللہ فی لیل والفجر	ان پر رات دن اللہ کی رحمت ہو۔

بی بی اُمّ ہانی مریمؒ نے ۸۹۱ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الخواتین۔ مشاہیر نسواں)

بی بی اُمّ البہاءؒ

فاطمہ نام "اُمّ البہاء" کنیت اور "ست القریش" لقب تھا۔ والد کا نام فہیم تھا۔ ۸۱۴ سنہ ھ میں پیدا ہوئیں۔ وہ محدث مراغیؒ، جمال بن زہیرؒ، ام الحسن بنت خیرؒ، معجمؒ ابن جمیع اور شریف احمد بیہقیؒ جیسے باکمال علماء کی مجالس درس میں حاضر ہوئیں اور علم حدیث میں بڑا نام پیدا کیا۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی بلقیسؒ بنتِ محمدؒ

محمدؒ بن بدر الدین بلقینی بن سراج الدینؒ کی صاحبزادی تھیں۔ اندازاً ۷۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ ان کے پردادا علامہ سراج الدینؒ، حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے استاد تھے۔ گو ان کے خاندان کے سب لوگ اہلِ علم و فضل تھے۔ مگر فضل و کمال میں جو شہرت بی بی بلقیسؒ کو حاصل ہوئی اور کسی کو نہ ہوئی۔ وہ علم و دانش اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ :-

"یہ مقدس بی بی مشائخ طریقت میں شمار کی جاتی ہیں۔"

عمر کے آخری چند سال انہوں نے اپنے آپ کو یکسر عبادتِ الٰہی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ عرصہ انہوں نے راہِ سلوک و ایقان اور طریق کے مقامات طے کرنے کے لیے سخت زہد و ریاضت میں گزارا۔ وہ تقریباً ساٹھ سال تک اس عالمِ ناپائدار میں رہیں اور ذی قعدہ ۸۴۱ھ میں فوت ہوئیں۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی الف بنتِ جمالؒ

نویں صدی ہجری میں بڑی مستند اور مشہور محدثہ گزری ہیں۔ والد کا نام الجمال الکنانی تھا۔ بے شمار لوگوں نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ ان میں سے بعض اپنے وقت کے امام تسلیم کیے گئے۔ (مشاہیر نسواں)

ملکہ عائشہؒ اُمّ محمّدؒ

غرناطہ (اندلس) کے آخری بادشاہ ابو عبداللہ محمّد یازدہم کی ماں کا نام ہے۔ بڑی نیک، غیرت مند اور بہادر خاتون تھیں۔ جب ابو عبداللہ نے ۸۹۷ھ میں غرناطہ کی حکومت عیسائیوں کے حوالے کر دی اور آہ وزاری کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا تو بی بی عائشہؒ نے جو ہمیشہ اپنے بیٹے کو عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ کرتی رہتی تھیں، اس کو ان الفاظ میں ملامت کی۔

"اے پست فطرت تو اس قابل نہ تھا کہ تیرا عرب کی شریف نسل سے تعلق ہوتا۔ افسوس کہ میرے ذریعے سے تجھے اس عظیم قوم کا فرد بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ تجھ جیسے بے حس اور نامرد کو اپنا بیٹا کہوں۔ اگر میں تیری جگہ اینٹ پتھر جنتی تو اچھا ہوتا ——

اے بے شرم! اپنے اس وطنِ عزیز کے لیے گریہ وزاری کر جس کو تو مردوں کی طرح دشمنوں سے نہیں بچا سکتا ——

اے بے حیا بزدل خوب رو عورتوں کی طرح واویلا کر۔" (مشاہیر النساء)

بی بی عمایمؒ

مولانا حسام الدین بن محمد بن ایوب الحسینی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کی نامور عالمات حدیث میں ہوتا ہے۔ بہت سے اونچے درجے کے علماء نے اُن سے حدیث کا درس لیا۔

(مشاہیر نسواں)

بی بی خدیجہؒ بنتِ احمدؒ

نویں صدی ہجری میں حدیث کی یگانۂ روزگار عالمہ ہوئی ہیں۔
شیخ شہاب الدین احمدؒ بن خلف بن عبدالعزیز بدران الحسنیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ ۷۹۸ھ میں پیدا ہوئیں۔ ابھی دو برس کی بچی تھیں کہ والدین ان کو علامہ جوہریؒ اور علامہ منصفیؒ کے درس میں لے گئے۔ یہ دونوں اپنے دَور کے بلند پایہ محدث تھے۔ اس زمانے میں لوگ بچوں کو اس طرح کے عالموں کی خدمت میں بھیجنا فخر وسعادت کا باعث سمجھتے تھے۔ ان دونوں نے بچی کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور اس کے لیے دعائے خیر و برکت کی۔
بی بی خدیجہؒ نے ذرا ہوش سنبھالا تو وہ ہمہ تن تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئیں۔ جلد ہی انہوں نے جملہ علومِ دینی بالخصوص علم حدیث میں درجۂ تبحر حاصل کر لیا۔ پھر اپنی درس گاہ قائم کی اور سالہا سال تک اپنے چشمۂ علم سے تشنگانِ علم کو سیراب کرتی رہیں۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار نے بھی ان سے حدیث کا درس لیا۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی الفؒ بنتِ حسام الدین

سیدہ الفؒ، سید حسام الدین بن الحسنؒ کی صاحبزادی تھیں۔ نویں صدی ہجری میں یگانۂ روزگار محدثہ گزری ہیں۔ سیدنا حضرت حسنؓ بن علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد سے تھیں۔ ان کی درسگاہ میں بہت دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور خوب فیض اٹھاتے تھے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ان کو اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ (مشاہیر نسواں)

ملکہ مخدومۂ جہاں

شمالی دکن (ہندوستان) کے گیارھویں بہمنی فرمانروا[1] علاؤالدین ہمایوں شاہ (۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء تا ۸۶۵ھ/۱۴۶۱ء) کی ملکہ تھی۔ بڑی زیرک، معاملہ فہم، بیدار مغز اور مدبر خاتون تھی۔ شوہر کی وفات کے وقت اس کا بیٹا نظام شاہ کمسن تھا مگر علاؤالدین ہمایوں شاہ نے اسے ہی وارثِ تاج و تخت قرار دیا اور امرائے دربار

۱؎ بہمنی خاندان شمالی دکن پر ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء سے ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء تک حکمران رہا۔ اس دوران میں اس خاندان کے ۱۸ بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ حکومت پر بیٹھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ حسن گنگو (بہمن شاہ) علاؤالدین ظفر خان	۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء	۱۰۔ علاؤالدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ/۱۴۳۵ء
۲۔ محمد شاہ اوّل	۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء	۱۱۔ علاؤالدین ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء
۳۔ مجاہد شاہ	۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء	۱۲۔ نظام شاہ	۸۶۵ھ/۱۴۶۱ء
۴۔ داؤد شاہ	۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء	۱۳۔ محمد شاہ ثانی	۸۶۷ھ/۱۴۶۳ء
۵۔ محمود شاہ اوّل	۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء	۱۴۔ محمود شاہ ثانی	۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء
۶ غیاث الدین	۷۹۹ھ/۱۳۹۷ء	۱۵۔ احمد شاہ ثالث	۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء
۷ شمس الدین	۷۹۹ھ/۱۳۹۷ء	۱۶۔ علاؤالدین شاہ	۹۲۷ھ/۱۵۲۰ء
۸ تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ/۱۳۹۸ء	۱۷۔ ولی اللہ شاہ	۹۲۹ھ/۱۵۲۲ء
۹ احمد شاہ اوّل	۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء	۱۸۔ کلیم اللہ شاہ	۹۳۲ھ/۱۵۲۵ء تا ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء

اس خاندان کے بہمنی لقب پڑنے کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے بانی حسن گنگو کا مورثِ اعلیٰ فارس کا مشہور بادشاہ بہمن تھا اور دوسری یہ کہ ایک بہمن (برہمن) نے اس کے بادشاہ ہونے کی پیشینگوئی کی تھی۔ حسن گنگو محمد بن تغلق کی طرف سے دکن کا صوبیدار تھا اس کا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو وصیت کی کہ تمام امورِ سلطنت نظام شاہ کی والدہ مخدومہ جہاں کے مشورے سے انجام دینا۔ مخدومہ جہاں نے خواجہ محمود گاواں[1] اور دوسرے امراء کی مدد سے کاروبارِ سلطنت نہایت خوش اسلوبی سے چلایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خطاب ظفر خاں تھا۔ ۷۴۸ھ میں اس نے بغاوت کر کے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ رفتہ رفتہ اس مملکت نے بڑی وسعت اختیار کر لی۔ یہی وسعت اس کے زوال کا باعث بنی اور تقریباً دو سو سال بعد بہمنی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ بیجا پور میں عادل شاہی، گولکنڈہ میں قطب شاہی، برار میں عماد شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی اور بیدر میں برید شاہی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

[1] خواجہ عماد الدین محمود گاواں بہمنی عہد کا نامور وزیر گزرا ہے۔ وہ ایران کے صوبہ گیلان کے ایک گاؤں قاواں میں ۸۰۸ھ ۱۴۰۵ء میں پیدا ہوا۔ اسی گاؤں کے نام "قاواں" کی نسبت سے وہ بعد میں "گاواں" مشہور ہوا۔ اس کے خاندان کے لوگ گیلان کی حکومت میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ خواجہ محمود کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ عنفوانِ شباب میں وہ حج کے لیے مکہ معظمہ گیا۔ اس کی غیر حاضری میں اس کا خاندان ایرانی حکومت کے زیرِ عتاب آ گیا۔ خواجہ محمود گاواں نے وطن واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور حجازِ مقدس سے ہندوستان آ گیا۔ اس وقت بہمنی خاندان کے بادشاہ علاؤالدین احمد شاہ ثانی کی مردم شناسی اور علم دوستی کا بڑا چرچا تھا۔ خواجہ محمود اس کے پاس بیدر چلا گیا۔ احمد شاہ ثانی کو اس کے اوصاف و خصائل کا علم ہوا تو اس نے اس کی بہت عزت و تکریم کی اور اس کو ایک ہزاری منصب پر فائز کر دیا۔ احمد شاہ ثانی کی وفات کے بعد ۸۶۲ھ میں علاؤالدین ہمایوں شاہ بادشاہ بنا تو اس نے خواجہ محمود گاواں کو ملک التجار کا خطاب دے کر اس کا رتبہ اور بڑھا دیا۔ خواجہ موصوف بہمنی خاندان کا دل و جان سے خیر خواہ تھا۔ اس نے ہمایوں شاہ کے خلاف کئی بغاوتیں فرو کیں۔ ۸۶۵ھ ۱۴۶۱ء میں ہمایوں شاہ نے وفات پائی اور اس کا خرد سال بیٹا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرکردہ امرا پر مشتمل ایک "مجلسِ مدار المہام" بنا رکھی تھی۔ اس میں خواجہ محمود گاواں اور خواجہ جہاں ترک سب سے اہم حیثیت کے مالک تھے، اور ملکہ ان کے مشوروں کو خاص اہمیت دیتی تھی۔ ان کی مدد سے ملکہ نے تمام اندرونی اور بیرونی خطروں پر قابو پالیا۔ نظام شاہ ماں کا بے حد اطاعت گزار تھا لیکن وہ بادشاہت کے تیسرے سال ہی ۸۶۷ھ (۱۴۶۳ء) میں وفات پا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ وہ بھی صغیر السن اور ملکہ کی سرپرستی کا محتاج تھا۔ مخدومۂ جہاں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

نظام شاہ تخت نشین ہوا تو مالوہ کے فرمانروا محمود خلجی (اوّل) نے بہمنی مملکت پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو بہمنی افواج نے شکست کھائی لیکن محمود گاواں نے گجرات کے بادشاہ محمود شاہ بیگڑی کی حمایت حاصل کر کے محمود خلجی کو شکست دی۔ نظام شاہ کی وفات کے بعد ۸۶۷ھ (۱۴۶۳ء) میں محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی خواجہ محمود گاواں کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا اور اس کو خواجۂ جہاں کا خطاب عطا کیا۔ خواجہ محمود نے بھی بہمنی سلطنت کی خیرخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ہمیشہ اپنے ولی نعمت کے دشمنوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ اس سلسلے میں اس نے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی بھی کی۔ بدقسمتی سے خواجہ محمود گاواں کے دشمنوں نے محمّد شاہ کو اس کے خلاف بدظن کر دیا اور ایک جعلی خط خواجہ موصوف سے منسوب کر کے بادشاہ کو یقین دلایا کہ خواجہ اس کے دشمنوں سے ملا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اشتعال میں آکر بہمنی سلطنت کے اس عظیم محسن کو ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء) میں قتل کرا دیا۔

خواجہ محمود گاواں بڑا عالم فاضل آدمی تھا اور علماء و فضلا کی قدردانی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے بیدر میں ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا جس میں سینکڑوں طلبہ اس کے خرچ پر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس نے اپنے پیچھے ایک عظیم الشان کتب خانہ اپنی یادگار چھوڑا۔ "قواعدِ انشاء نویسی" نام کی ایک تصنیف بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔

(تاریخ فرشتہ۔ تاریخ بہمنی وغیرہ)

کو خواجہ محمود گاواں جیسا لائق وزیر مل گیا تھا اس کے بھرپور تعاون سے اس نے سلطنت پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دی۔ ۸۶۷ھ بمطابق ۱۴۶۲ء میں مخدومہ جہاں کو اطلاع ملی کہ خواجہ جہاں ترک نے سلطنت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ملکہ نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ خواجہ جہاں ترک کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور وہ خود مارا گیا۔ محمد شاہ ثانی ۱۴ برس کا ہوا تو مخدومہ جہاں نے ایک شریف شہزادی سے اس کی شادی کر دی اور پھر مہماتِ سلطنت محمد شاہ کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئی۔ تاہم محمد شاہ تمام امورِ سلطنت میں اس سے برابر مشورے لیتا رہا۔ وہ ہر روز والدہ کے سلام کو جاتا تھا اور اس کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ گوشہ نشینی کے زمانے میں مخدومہ جہاں کا بیشتر وقت عبادت اور تلاوتِ قرآن میں گزرتا تھا۔ ۸۷۱ھ بمطابق ۱۴۶۶ء میں حاکمِ نلگوان نے سرکشی اختیار کی۔ محمد شاہ کو اس کی سرکوبی کے لیے خود نلگوان جانا پڑا۔ مخدومہ جہاں بھی بیٹے سے دلی لگاؤ کی وجہ سے اس کے ساتھ ہولی۔ اثنائے سفر میں وہ مختصر علالت کے بعد فوت ہو گئی۔ اس کی نعش بیدر لائی گئی اور وہیں دفن کی گئی۔ (تاریخ فرشتہ۔ تاریخ بہمنی۔ مشاہیر نسواں)

بی بی سلمٰی بنتِ شمس الدینؒ

ان کا شمار نویں صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عالمات میں ہوتا ہے۔ امام القراء علامہ شمس الدین جزریؒ کی صاحبزادی تھیں۔ وہ اپنے وقت میں فنِ قرأت و تجوید کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنی لختِ جگر سلمٰی کو جملہ دینی علوم بالخصوص قرأت و تجوید کی تعلیم بڑی محنت اور توجہ سے دی یہاں تک کہ وہ اس فن میں یگانۂ روزگار ہو گئیں۔ ان کو نہ صرف سبعہ قرأت بلکہ عشرہ قرأت پر بھی عبور حاصل تھا۔ قرآن کریم کی حافظہ تھیں اور پورا قرآن پاک ہر قرأت کے مطابق سنا سکتی تھیں۔ کہا جاتا ہے ان کے والد کے بعد کوئی دوسرا قاری قرأت اور تجوید کے فن میں ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

(مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

دسویں صدی ہجری

١- بی بی عائشہؒ بنت یوسفؒ الباعونی (عالمہ فاضلہ شاعرہ، مصنفہ)

٢- بدیعۃ الجیبنہؒ ——— (عابدہ زاہدہ)

٣- بی بی فاطمہ بنت عبدالقادرؒ ——— (عارفہ)

٤- خانزادہ بیگم (شاہی خاندان کی بزرگ اور شفیق خاتون)

٥- ملکہ ماہم بیگم ——— (دانشمند، رعایا پرور)

٦- گلبدن بیگم ——— (عالمہ، ادیبہ، شاعرہ)

٧- عائشہ سلطان خانم ——— (عالمہ فاضلہ شاعرہ)

٨- گل چہرہ بیگم ——— (شاعرہ، ادیبہ)

٩- ملکہ نور بانو ——— (دیندار مخیّر)

١٠- ملکہ حمیدہ بانو بیگم (غیرت مند، باوفا، خداترس، پابند شریعت)

١١- ملکہ ماہ چوچک بیگم ——— (مدبّرہ)

١٢- چوچک بیگم ——— (باوفا بیوی)

١٣- خونزہ ہمایوں ——— (دانش مند، مدبّرہ، دلاور)

١٤- حرم بیگم (مدبّرہ، ماہر سیاست، غیرت مند، بہادر)

١٥- ماہم انگہ (دانش مند، باوفا، مخیّر)

١٦- بی بی کاملہ بیگم ——— (شاعرہ)

١٧- بی بی نہانی ——— (")

١٨- ملکہ سلیمہ سلطان بیگم مخفی – (عالمہ فاضلہ شاعرہ)

١٩- چاندبی بی (عالمہ، فنونِ سپہگری میں ماہر، دانا بہادر)

٢٠- ملکہ پونچی خاتون ——— (مدبّرہ، بہادر)

٢١- ملکہ آمنہ (دانشمند، باکمال، رفاہ عامہ سے شغف)

٢٢- ملکہ صفیہ (ماہر سیاست، مدبّرہ، بیدار مغز)

٢٣- بی بی صدقی ——— (شاعرہ)

٢٤- مہر ماہ سلطان (رفاہِ عامہ سے شغف، مجاہدہ)

٢٥- ملکہ جانفدا قادین (سیاستدان، خیرخواہِ خلق)

٢٦- شہزادی فاطمہ خانم (ہمدردِ خلائق، نکوکار)

٢٧- شاہ سلطان ——— (نیکوکار، مخیّر)

بی بی عائشہؒ بنتِ یوسفؒ الباعونی[1]

بی بی عائشہ الباعونیؒ کا شمار نویں/ دسویں ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات و فاضلات میں ہوتا ہے۔ ان کے والد یوسفؒ بن احمدؒ الباعونی (ولادت ۸۰۵ھ/ ۱۴۰۲ء وفات ۸۸۰ھ/ ۱۴۷۵ء) دمشق کے قاضی تھے۔ بڑے عالم فاضل اور متقی آدمی تھے۔ انتظامی امور میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے دمشق میں "مارستان (شفاخانہ) نورالدینؒ" کے نظم و نسق میں نہایت مفید اصلاحات کیں۔ اس کی عمارت میں نئے حصے تعمیر کرائے اور اس کے اوقات میں اضافہ کر دیا۔

قاضی یوسفؒ نظم و نثر دونوں پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ انہوں نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں امام نوویؒ کی "منہاج" کو نظم کا جامہ پہنانا بھی شامل ہے۔

بی بی عائشہؒ اسی علامۂ دہر باپ کے گھر نویں صدی ہجری کے وسط میں بمقام دمشق پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے بے حد ذہین و فطین تھیں۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کر لیا اور فاضل باپ کے زیرِ سایہ نہایت اعلیٰ تعلیم و تربیت

---

[1] باعون (باعونہ) عراق میں موصل کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ قاضی یوسف الباعونیؒ کا دادا ناصر بن خلیفہ اس گاؤں میں پارچہ بافی کرتا تھا۔ اسی گاؤں کی نسبت سے وہ خود اور اس کی اولاد الباعونی کہلائی — ناصر بن خلیفہ بعد میں باعون کی سکونت ترک کر کے فلسطین کے شہر ناصرہ (NAZARETH) میں آباد ہو گیا۔ قاضی یوسفؒ کے والد احمد الباعونیؒ بھی بہت بڑے عالم تھے (ولادت ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء)۔ عرصہ تک مسجد بنی امیہ کے خطیب اور دمشق کے قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ کچھ عرصہ بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ کے خطیب بھی رہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پائی۔ وہ قاہرہ میں عرصہ تک حدیث فقہ اور دوسرے علوم دینی کی تحصیل کرتی رہیں اور وہاں سے درس و افتاء کی باقاعدہ سند لی۔ تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد وہ علمی اور ادبی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئیں اور جلد ہی ان کے علم و عرفان اور شعر و ادب میں دستگاہِ کامل کی سارے عالمِ اسلام میں دھوم مچ گئی۔ وہ ایک اونچے درجے کی عالمہ اور قادر الکلام شاعرہ تھیں۔ کوئی بڑے سے بڑا شاعر یا عالم ان کو شعر و سخن یا علم کے کسی شعبے میں مرعوب نہیں کر سکتا تھا! اپنے آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ مصر کے ایک نامور عالم عبدالرحیم العباسی سے مدت تک نظم میں خط و کتابت کرتی رہیں۔

ان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ چنانچہ حضورؐ کی شان میں ایک معرکہ آرا نعتیہ قصیدہ لکھا جس کا نام "الفتح المبین فی مدح الامینؐ"، رکھا۔ اس کی شرح بھی انہوں نے خود ہی لکھی۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری تصنیفات یہ ہیں:

(۱) کتاب اللامع الشریفۃ والآثار المنیفۃ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ عقائدِ اسلام کے باب میں ایک قصیدہ "العقیدہ" کے عنوان سے لکھا اور ابنِ زریق کی ایک نظم کی تخمیس بھی کی۔

قاضی احمدؒ نہ صرف ایک سحر البیان واعظ تھے بلکہ اعلیٰ درجے کی قابلیت بھی رکھتے تھے اور دیانت و امانت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

ایک دفعہ سلطان برقوق نے ان سے اوقاف کی رقم سے قرض طلب کیا۔ انہوں نے قرض دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر سلطان غضبناک ہو گیا اور ان کو معزول کر کے قید کر دیا۔ لیکن انہوں نے پروا نہ کی اور اپنی رائے پر قائم رہے۔

قاضی احمدؒ نے ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء میں بمقام دمشق وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

(۲) الفتح الحنفی

(ان دونوں کتابوں کا موضوع تصوّف ہے)

(۳) مولد النبیؐ (اس کا کچھ حصہ نظم میں اور کچھ نثر میں ہے)

(۴) الاشارات الخفیۃ فی منازل العلیۃ (الہروی کے رسالۂ تصوّف "منازل السائرین" کا خلاصہ ہے)

(۵) خلاصۃ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب۔ للسخاوی

(۶) المعجزات والخصائص النبویہ (منظوم) اصل کتاب امام سیوطیؒ کی ہے بی بی عائشہؒ نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔

بی بی عائشہؒ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد تھیں۔ انہوں نے ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء میں بمقام دمشق وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳۔ مشاہیر نسواں)

بدیعۃ الجبیبہؒ

مکہ معظمہ کی رہنے والی تھیں۔ ان کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا ہے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ کسی چیز کے حرام یا مکروہ ہونے کے بارے میں شک پڑ جاتا تو اس کو چھوتی تک نہیں تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں معلوم ہوا کہ مکہ میں بجیلہ (افریقہ) سے گوشت اور پھل درآمد کیے جاتے ہیں لیکن وہاں کے لوگ اپنی بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی کرتے ہیں۔ بی بی بدیعہؒ نے یہ سن کر بجیلہ سے منگوائے جانے والے گوشت اور پھلوں کا استعمال بالکل ترک کر دیا۔ اس کے بعد وہ تیس سال زندہ رہیں لیکن ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ (مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

بی بی فاطمہ بنتِ عبدالقادرؒ

حضرت مخدوم میراں محمدؒ شاہ موج دریا بخاریؒ کی اہلیہ تھیں[1]۔ وہ حضرت بی بی کلاں کے لقب سے مشہور ہیں۔ بی بی فاطمہؒ پیرِ پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

---

[1] حضرت مخدوم میراں محمدؒ شاہ موج دریا بخاریؒ کا شمار برِکوچک پاک و ہند کے جلیل القدر اولیائے سہروردیہ میں ہوتا ہے لیکن وہ سلسلۂ سہروردیہ کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ بخاریہ حسینیہ یا بخاریہ جلالیہ سے بھی نسبت رکھتے تھے۔ ۹۴۰ھ ہجری میں اوچ (اوچ شریف) میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب چھ واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (المتوفی ۷۸۵ھ) تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے اپنے جامع شریعت و طریقت بزرگوں کے علاوہ اس دور کے کئی دوسرے متبحر علماء و صلحاء سے علم حاصل کیا اور منزلِ شباب تک پہنچتے پہنچتے علم و فضل کے بحرِ زخّار بن گئے۔ پھر اپنے آباؤ اجداد کی مسندِ ہدایت و ارشاد پر متمکن ہو گئے۔ ان کی تبلیغی مساعی کی بدولت بے شمار غیر مسلموں بالخصوص ہندو راجپوتوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ سیّد موصوف ۹۷۵ھ اور ۹۸۰ھ کے درمیان کسی وقت اوچ سے نقل مکانی کر کے لاہور تشریف لائے اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ لاہور میں ان کا دریائے فیض تقریباً چھتیس برس تک جاری رہا۔ اپنے بے مثال جذبۂ خیر، جود و سخا، معارف پروری اور خدمتِ خلق کی بنا پر انہوں نے "موج دریا" کے لقب سے شہرت پائی۔ فقر و استغنا، زہد و اتقا، رشد و ہدایت اور علم و عمل کے اس پیکرِ جمیل نے ۱۰۱۳ھ میں وفات پائی۔ ان کا عظیم الشان مقبرہ لاہور میں زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ جلال الدین اکبر بادشاہ کے حکم سے تعمیر کیا گیا تھا۔

کی اولاد سے تھیں۔ ان کے دادا حضرت سید محمدؒ غوث بالا پیر گیلانی تھے[1] اور والد سید عبدالقادر گیلانی ثالث المعروف بہ سید جیون تھے[2] بی بی فاطمہؒ نہایت

---

[1] سید محمدؒ غوث بالا پیر گیلانیؒ (بن سید زین العابدینؒ) کا شمار اپنے دَور کے مشہور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق اوچ کے عظیم خانوادۂ گیلانیہ سے تھا۔ انہوں نے اپنے دادا سید عبدالقادر ثانیؒ سے علومِ شریعت و طریقت حاصل کیے اور انہی سے خرقۂ خلافت پایا۔ والد سید زین العابدینؒ بنگال میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ جب اوچ میں ان کے چچا زاد بھائی سید حامد گنج بخشؒ سجادہ نشین ہوئے تو سید محمدؒ غوث بالا پیرؒ اوچ سے ستگھرہ تشریف لے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ سالہا سال تک رشد و ہدایت میں مصروف رہنے کے بعد سنہ ۹۵۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے متعدد کرامات اور خوارقِ عادات منسوب ہیں۔

[2] سید عبدالقادر ثالث گیلانی المعروف بہ سید جیونؒ اپنے وقت کے سرآمدِ روزگار اولیاء اللہ میں سے تھے۔ وہ بڑے عالم و فاضل شجاع، سخی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ علومِ شریعت و طریقت کی تعلیم اپنے جلیل القدر والد سید محمدؒ غوث بالا پیرؒ (ستگھرہ) سے حاصل کی۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد عرصہ تک مختلف ممالک و امصار کی سیاحت میں مشغول رہے اور اثنائے سیاحت میں بہت سے بزرگوں سے کسبِ فیض کیا۔ پھر لاہور تشریف لائے اور ایک نیا محلہ رسول پورہ آباد کیا۔ وہیں سنہ ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں وفات پائی اور اسی مقام پر دفن ہوئے جہاں اب ان کے پوتے حضرت شاہ چراغؒ کا مزار ہے۔ تاریخِ رحلت حسبِ ذیل ہے۔

عبدِ قادر چو شد ز دارِ فنا	یافت از حق بخلدِ دالا جا
فیضِ اسلام گو بتاریخش	ہم بخواں عبدِ قادرِ اہلِ خدا
۱۰۲۲	۱۰۲۲

"شیخِ عالی منقبت" سے عیسوی تاریخ سنہ ۱۶۱۳ء برآمد ہوتی ہے۔

عبادت گزار اور متقی خاتون تھیں۔ ان کا شمار اپنے وقت کی عارفات میں ہوتا ہے۔ مشہور مصنف پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنی کتاب "بزرگانِ لاہور" میں لکھا ہے کہ ایک دن بی بی صاحبہ نے اپنی چادر دھو کر دھوپ میں ڈالنی چاہی لیکن عصر کا وقت تھا اور دھوپ گھر میں صرف بیری کے درخت کی چوٹی پر تھی۔ انہوں نے اس درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے درخت! اپنی ٹہنیاں جھکا دے تاکہ میں اپنی چادر ان پر ڈال کر خشک کر سکوں۔"

ٹہنیاں فوراً نیچی ہو گئیں، بی بی صاحبہ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور وہ پھر بلند ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد حضرت موج دریاؒ گھر تشریف لائے اور چادر کو درخت پر پڑا پایا تو سمجھے کہ بی بی صاحبہ نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے۔ انہوں نے غصہ میں آ کر بی بی صاحبہؒ سے بازپرس کی تو انہوں نے قسم کھا کر بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی بلکہ خود درخت نے اپنی ٹہنیاں جھکا دیں۔ حضرت موج دریاؒ نے فرمایا تو پھر اسی طرح درخت سے چادر اتار دو۔ چنانچہ بی بی صاحبہ نے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے درخت اب اپنا سر جھکا لے تاکہ میں اپنی چادر اس سے اتار لوں!"

درخت کی ٹہنیاں فوراً نیچی ہو گئیں اور بی بی صاحبہؒ نے اپنی چادر ان سے کھینچ لی۔

اس طرح اور بھی کئی کرامات بی بی صاحبہ سے منسوب ہیں۔ بی بی فاطمہؒ نے ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء میں وفات پائی اور اپنے شوہر نامدار کے مزار سے کچھ فاصلے پر مدفون ہوئیں۔ لیک روڈ (لاہور) پر ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔ بی بی فاطمہؒ کے بطن سے حضرت موج دریا بخاریؒ کے دو فرزند ہوئے سید صفی الدینؒ اور سید بہاؤ الدینؒ۔ دونوں علم و فضل اور زہد و اتقا کے اعتبار سے درجۂ کمال پر فائز تھے۔

(تاریخ اوچ۔ نقوش لاہور نمبر)

خانزادہ بیگم

تیموری خاندان کی نہایت بلند مرتبہ خاتون ہوئی ہے۔ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی بڑی بہن تھی۔ بابر اس سے پانچ برس چھوٹا تھا۔ ۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء میں وہ بابر کے پاس سمرقند میں تھی کہ ازبکوں کے سردار شیبانی خان[1] نے اس شہر کو فتح کر لیا اور بابر کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ لیکن جلد ہی بابر نے شہر کے باشندوں کی مدد سے سمرقند پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کی بدقسمتی سے یہ قبضہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ چند ماہ بعد شیبانی خان نے اس کو سرپل کے مقام پر تباہ کن شکست دی اور سمرقند کو گھیر لیا۔ بابر کو سخت افراتفری کے عالم میں سمرقند سے بھاگنا پڑا۔ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں لکھا ہے کہ جس وقت بابر سمرقند میں محصور تھا، شیبانی خان نے اس کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اپنی بہن خانزادہ بیگم کی شادی میرے ساتھ کر دو تو میرے اور تمہارے درمیان صلح ہو سکتی ہے اور رابطۂ اتحاد قائم ہو سکتا ہے مجبوراً بابر نے خانزادہ بیگم کی شادی شیبانی خان سے کر دی اور خود قلعہ سے نکل کر بدخشاں و کابل کا رخ کیا لیکن "تزک بابری" میں خود بابر نے سمرقند سے اپنے فرار کا حال جس طرح لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شادی میں اس کا ایماء شامل نہیں تھا بلکہ جب وہ پریشانی کے عالم میں بھاگا تو خانزادہ بیگم کو

---

[1] ابوالفتح محمد شیبانی خان کو شاہی بیگ ازبک، شاہ بیگ خان ازبک اور شیبک کے ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ ازبکوں کا خان تھا اور بڑا جنگجو اور دلیر آدمی تھا اس نے ماوراء النہر کو فتح کر کے اس پر ۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء سے ۹۱۵ھ / ۱۵۰۹ء تک حکومت کی۔ سمرقند کے لیے بابر سے اس کی معرکہ آرائیاں مشہور ہیں اگرچہ بابر دو مرتبہ اس کے مقابلے میں کامیاب رہا لیکن بالآخر شیبانی خان نے اس کو شکست دے کر سمرقند سے نکال دیا۔

ساتھ نہ لے جا سکا اور وہ سمرقند میں پیچھے رہ گئی۔ شیبانی خان نے سمرقند میں داخل ہو کر اس سے نکاح کر لیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خانزادہ بیگم خود شیبانی خان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ بابر کو مجبوراً اس شادی کی اجازت دینی پڑی تاکہ وہ سمرقند سے نکل سکے مگر اس شادی کی راہ میں ایک رکاوٹ تھی وہ یہ کہ خانزادہ بیگم کی خالہ پہلے ہی اس سے بیاہی ہوئی تھی۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے شیبانی خان نے اس کی خالہ کو طلاق دے دی اور خانزادہ بیگم سے نکاح کر لیا۔

اس سلسلے میں ''ہمایوں نامہ'' کی مترجم مسز اے بیورج ایک اور ہی تصویر پیش کرتی ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ خانزادہ بیگم نے صرف بابر کو بچانے کی خاطر اپنی قربانی دی اور شیبانی خان سے نکاح کر لیا۔ اگر وہ یہ قربانی نہ دیتی تو بابر کو شیبانی خان گرفتار کر لیتا یا قتل کر دیتا۔

شیبانی خان سے خانزادہ بیگم کا ایک لڑکا خاناں شاہ پیدا ہوا جسے بلخ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر وہ اوائل عمر ہی میں فوت ہو گیا۔

شیبانی خان کے ساتھ خانزادہ بیگم کی شادی کامیاب ثابت نہ ہوئی کیونکہ کچھ مدت بعد شیبانی خان نے محسوس کیا کہ خانزادہ بیگم اپنے بھائی بابر کی ہمدرد ہے اور مشکل وقت میں وہ اُسی کا ساتھ دے گی۔ چنانچہ اس نے خانزادہ بیگم کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد خانزادہ بیگم نے شیخ ہادی نامی ایک سید سے شادی کر لی۔ شیخ ہادی ۹۱۵ھ/۱۵۰۹ء میں مرو کی لڑائی میں مارا گیا۔ (شیبانی خان بھی اسی لڑائی میں شدید زخمی ہو کر فوت ہو گیا) اس لڑائی کے فاتح شاہ اسمٰعیل صفوی نے خانزادہ بیگم کو عزت و احترام کے ساتھ بابر کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت بابر کابل کا حکمران تھا اور خانزادہ بیگم کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ خانزادہ بیگم کی تیسری شادی میرزا مہدی بیگ یا مہدی خواجہ سے ہوئی اس سے عمر بھر اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

بابرؒ اس کے بیٹے بیٹیاں اور دوسرے اہلِ خاندان خانزادہ بیگم کی بے حد عزت و تکریم کرتے تھے اور وہ سارے شاہی خاندان میں "خاتونِ بزرگ" کی حیثیت رکھتی تھی۔

خود خانزادہ بیگم نے بھی بڑی نرم اور شفیق طبیعت پائی تھی اور وہ اپنے اہلِ خاندان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی۔ اس کا مستقل قیام بابر کے ساتھ کابل میں رہا تا آنکہ بابر نے ہندوستان فتح کرنے کے بعد اپنے اہلِ خاندان کو کابل سے ہندوستان بُلا بھیجا۔

۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء میں خانزادہ بیگم شاہی خاندان کی متعدد دوسری مستورات کے ساتھ ہندوستان پہنچ گئی۔ بابر نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اسے آگرہ میں رہنے کے لیے مکان دیا۔ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں بابر نے وفات پائی تو خانزادہ بیگم کو شدید صدمہ ہوا۔ اس کا بھتیجا ہمایوں تختِ شاہی پر بیٹھا تو اس نے بزرگ پھوپھی کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس کو محبوب بھائی کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

چونکہ خانزادہ بیگم کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے اپنے شوہر مہدی خواجہ کی دو سالہ بہن سلطانم بیگم کو اپنی بیٹی بنا لیا۔ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی جب وہ جوان ہوئی تو خانزادہ بیگم نے اس کی شادی اپنے بھتیجے میرزا ہندال (برادرِ ہمایوں بادشاہ) کے ساتھ کر دی۔ یہ تقریب اس نے بڑی شان و شوکت سے منعقد کی، اور اس پر روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اس نے سلطانم بیگم کو جہیز میں جو بیش بہا چیزیں دیں اور میرزا ہندال کو جو قیمتی تحائف دیئے۔ گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں ان کی ایک طویل فہرست دی ہے۔

جس زمانے میں ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر بھکر کے نواح میں خیمہ زن تھا۔ قندھار کے حاکم قراچہ خان نے خط لکھ کر اس کو قندھار آنے کی ترغیب دی۔ ہمایوں نے اپنی جگہ میرزا ہندال کو بھیج دیا۔ قراچہ خان نے فوراً قندھار اس کے سپرد کر دیا۔ میرزا کامران اس وقت کابل کا حاکم تھا اور میرزا عسکری غزنین میں تھا۔ میرزا کامران نے اس کے ساتھ مل کر منصوبہ بنایا کہ قندھار میرزا ہندال سے چھین لیا جائے۔ ہمایوں کو علم ہوا تو وہ خانزادہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور اس سے درخواست کی کہ آپ قندھار جا کر میرزا کامران اور میرزا ہندال دونوں پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں کہ وہ اس مصیبت کے وقت آپس میں اتفاق رکھیں۔ چنانچہ خانزادہ بیگم قندھار چلی گئی۔ اس کے چار دن بعد میرزا کامران بھی کابل سے قندھار پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس کا اصرار تھا کہ خطبہ میں میرا نام پڑھا جائے لیکن ہندال میرزا اس پر تیار نہیں تھا بالآخر میرزا کامران نے خانزادہ بیگم کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا، وہ گئی تو میرزا کامران نے اس موضوع پر اس سے گفتگو کی۔ خانزادہ نے بلا دھڑک کہا کہ بابر نے اپنی جانشینی کا فیصلہ خود ہی کر دیا تھا اور ہمایوں کو بادشاہ نامزد کر دیا تھا۔ تم سب اس کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے ہو اب بھی اسے بڑا سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرو اور اسی کے نام کا خطبہ جاری رکھو۔

میرزا کامران پر پھوپھی کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ چار ماہ کے محاصرے سے اہلِ قندھار تنگ آ چکے تھے۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ جب تک ہمایوں قندھار سے دُور رہے میرزا کامران کے نام کا خطبہ پڑھ دیا جائے جب وہ قندھار آ جائے تو خطبہ اسی کے نام کا شروع کر دیا جائے۔ اس کے بعد میرزا کامران خانزادہ بیگم کو اپنے ساتھ کابل لے گیا۔

اُدھر ہمایوں نے سندھ سے قندھار کا عزم کیا۔ راستے میں شالِ مستان کے مقام پر خیمہ زن تھا کہ کسی نے اطلاع دی کہ میرزا عسکری دو ہزار سواروں کے ساتھ بُرے ارادے سے آ رہا ہے۔ ہمایوں بڑی عجلت کے ساتھ وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اس پریشانی میں ڈھائی سالہ اکبر پیچھے ہی رہ گیا۔ میرزا عسکری نے اسے اپنی بیوی کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد میرزا عسکری نے ننھے بھتیجے کو کامران کے پاس کابل بھیج دیا۔ کامران نے اسے خانزادہ کے سپرد کر دیا۔ گلبدن بیگم "ہمایوں نامہ" میں لکھتی ہے کہ خانزادہ بیگم اکبر سے بہت محبت کرتیں، اس کے ہاتھ پاؤں چومتی رہتیں اور کہتی رہتیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور خد وخال میرے مرحوم بھائی (بابر) سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔

جب ہمایوں قندھار پہنچ گیا تو میرزا کامران نے خانزادہ سے بڑی لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ وہ قندھار جاکر ہمایوں اور اس کے درمیان صلح کرا دے۔
خانزادہ بیگم نے اکبر کو میرزا کامران کی بیوی کے سپرد کیا اور خود عازم قندھار ہوگئی۔ قندھار پہنچ کر اس نے ہمایوں کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی تو اس نے کہا ہم کابل جاتے ہیں کامران جو رویہ اختیار کرے گا اسی کے مطابق آئندہ طرزِ عمل کا فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ اس نے خانزادہ بیگم کو ساتھ لیا اور لشکر لے کر کابل کی طرف روانہ ہو پڑا۔ جس وقت قبلچک (افغانستان) کے مقام پر پہنچا، تو خانزادہ بیگم کو بخار ہوگیا اور وہ تین دن تک برابر بیمار رہی۔ اطباء نے علاج معالجہ میں سر توڑ کوشش کی مگر بخار کی شدت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آخر چوتھے روز وہ خالق حقیقی کے حضور پہنچ گئی۔ یہ ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء کا واقعہ ہے۔ "خاتون بزرگ" کو جائے وفات قبلچک ہی میں ایک تابوت میں ڈال کر دفن کر دیا گیا مگر تین ماہ بعد اس کا تابوت کابل لایا گیا اور بابر بادشاہ کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ (ہمایوں نامہ۔ دائرہ معارف اسلامیہ)

خونزہ ہمایوں

حسین نظام شاہ والی احمد نگر (۹۶۱ھ/۱۵۵۳ء تا ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء) کی بیگم اور مرتضیٰ نظام شاہ والی احمد نگر (۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء تا ۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء) کی ماں تھی۔ نہایت دانش مند خاتون تھی۔ رموزِ حکمرانی سے آگاہ اور جرأت و دلاوری میں یکتا تھی۔ چاند بی بی یا چاند سلطانہ (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) اسی خونزہ ہمایوں کی بیٹی تھی۔ حسین نظام شاہ نے ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء میں وفات پائی تو اس کا فرزند مرتضیٰ نظام شاہ وارثِ تخت قرار پایا لیکن وہ ابھی نابالغ تھا اس لیے اس کی ماں خونزہ ہمایوں چھ سال تک ولایتِ احمد نگر کی مدار المہام رہی۔ اس کے بعد امرائے حکومت اس بناء پر اس سے ناراض ہوگئے کہ اس نے اپنے بھائیوں کو بہت زیادہ اختیار دے دیئے ہیں چنانچہ انہوں نے سازش کرکے خونزہ ہمایوں کو اقتدار سے محروم کر دیا۔
(تاریخ فرشتہ)

ماہم بیگم

ظہیر الدین محمدؒ بابر بادشاہ (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء تا ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء) کی بیگم تھی۔ اس کا تعلق خراسان کے ایک معزز خاندان سے تھا اور وہ شیخ احمد جامؒ (المتوفی ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء) کی نسل سے تھی۔ بابر نے ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں اس سے شادی کی۔ ۹۱۳ھ/۱۵۰۷ء میں ہمایوں اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ یہ خاتون نہایت دانشمند اور رعایا پرور تھی۔ بابر بادشاہ اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب وہ ۹۳۲ھ/۱۵۲۵ء میں کابل سے ہندوستان آئی تو بابر دو کوس تک پیادہ اس کے استقبال کو گیا۔ بیگم کی سواری سامنے آئی تو اس نے بابر کو پیادہ دیکھ کر سواری سے اترنا چاہا لیکن بابر نہ مانا اور بیگم کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل کر قیام گاہ تک آیا۔ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں اس واقعہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"حضرت بادشاہ (بابر) خیال داشتند کہ تاکول جلالی پیشواز (استقبال) روند۔ نماز شام یکے آمدہ گفت کہ حضرت (ماہم بیگم) را در دو گروہی گزاشتہ آمدہ ام۔ حضرت بادشاہ بابام (بابر) تا اسپ آوردند تحمل نہ کردند و پیادہ رواں شدند و در پیش خانہ پنجہ ماہم در خوردند۔ آکام (یعنی ماہم بیگم) می خواستند کہ پیادہ شوند۔ بادشاہ بابام نماندند خود در جلوی آکام تا خانہ خود پیادہ آمدند۔"

ٹامس بیل نے مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ ماہم بیگم نے دلّی کے پرانے قلعے کے قریب ایک مدرسہ بنوایا جس کے ساتھ ایک شاندار مسجد بھی تھی لیکن سر سیّد احمد خان کا بیان ہے کہ اس مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کا سہرا اکبر کی انگہ ماہم کے سر ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مسجد اور مدرسہ کی تعمیر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں ہوئی جب

ماہم بیگم اپنے فرزند نصیرالدین محمدؒ ہمایوں کے عہد میں وفات پا چکی تھی۔
ماہم بیگم کے بطن سے بابر کے جو بچے پیدا ہوئے، گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں ان کے یہ نام لکھے ہیں :۔
ہمایوں، باربول میرزا، مہر جان بیگم، ایشان بیگم اور فاروق میرزا۔ اس کے کچھ بچے صغر سنی میں فوت بھی ہو گئے۔
ماہم بیگم بڑی نرم دل اور شفیق خاتون تھی۔ اس نے بابر کے دو بچوں ہندال میرزا اور گلبدن بیگم کو جو بابر کی ایک دوسری بیگم دلدار خانم کے بطن سے تھے اپنی گود لے لیا اور نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ ان کی پرورش اور تربیت کی۔
۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں بابر نے وفات پائی تو ماہم بیگم کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ جب تک زندہ رہی بابر کے مزار کے متعلقین کے لیے بڑے اہتمام سے کھانا تیار کرواتی رہی۔ صبح کے وقت ایک گائے، دو بھیڑیں اور پانچ بکریاں ذبح کی جاتیں اور نماز فجر کے بعد پانچ بکریوں کے گوشت سے آش تیار کی جاتی۔ ہمایوں بادشاہ اپنی والدہ کا بہت احترام کرتا تھا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔
ماہ شعبان ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء میں ماہم بیگم کو پیٹ کی کوئی بیماری لاحق ہوئی۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور وہ اسی مہینے کی ۱۳ تاریخ کو فوت ہو گئی۔
(ہمایوں نامہ۔ مشاہیر نسواں وغیرہ)

گلبدن بیگم

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی بیٹی، نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کی علّاتی بہن اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی پھوپھی تھی۔ والدہ کا نام صالحہ سلطان تھا لیکن وہ تاریخ میں دلدار بیگم کے نام سے مشہور رہے۔ یہ نام اسے غالباً بابر (شوہر) نے دیا تھا۔ دلدار بیگم سمرقند کے حکمران سلطان محمود کی بیٹی تھی۔

گلبدن بیگم ۹۲۹ھ/۱۵۲۲ء میں کابل میں پیدا ہوئی۔ اس وقت بابر کو مصائب کے طوفان سے گزر کر کابل پر قبضہ کیے ہوئے انیس برس ہو چکے تھے۔ اس دوران میں اس نے قندوز، بدخشاں، باجوڑ، سوات اور قندھار بھی فتح کر لیے تھے اور وہ فرغانہ کی چھوٹی سی ریاست کا والی ہونے کے بجائے ایک وسیع سلطنت کا بادشاہ بن چکا تھا۔

گلبدن بیگم دو سال کی ہوئی تو بابر کی بڑی بیگم "ماہم بیگم" نے اس کو اس کی حقیقی والدہ دلدار بیگم سے مانگ لیا اور نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ گلبدن بیگم طبعاً بڑی ذہین اور روشن دماغ تھی۔ پھر اس کی تعلیم و تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ اس نے ترکی اور فارسی زبانوں کی ایک بلند پایہ ادیبہ اور نغز گو شاعرہ کا مقام حاصل کر لیا۔

گلبدن بیگم تقریباً تین برس کی تھی کہ بابر ۹۳۲ھ/۱۵۲۵ء اپنے اہل و عیال کو کابل میں چھوڑ کر ہندوستان کی تسخیر کے لیے روانہ ہو گیا۔ اسی سال اس نے ابراہیم لودی اور رانا سانگا کو دو خونریز لڑائیوں میں شکست دے کر شمال مغربی ہندوستان پر پورا تسلط جما لیا۔ اس کے ایک سال بعد بابر نے ماہم بیگم کو کابل سے بلا بھیجا ننھی گلبدن بیگم بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ آگرہ میں والد کی خدمت میں حاضر ہوئی تو

اس نے اپنی بچی کو سینے سے لگالیا اور خوب پیار کیا۔ چند دن بعد بابر کے دوسرے خاندان والے بھی کابل سے ہندوستان آگئے اور شاہی محلات میں خوب رونق ہو گئی۔ تقریباً پانچ برس گلبدن بیگم نے اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں بہت مزے سے گزارے۔ ۹۳۷ھ میں بابر نے وفات پائی، تو وہ آٹھ برس کی تھی۔ شعبان ۹۴۰ھ ۱۵۳۳ء میں ماہم بیگم بھی ۱۵۳۰ء فوت ہو گئیں تو وہ اپنی حقیقی والدہ دلدار بیگم کے پاس آگئی۔ ہمایوں بادشاہ نے اپنے تمام اہلِ خاندان کی نہایت مشفقانہ سرپرستی کی۔ گلبدن بیگم اور دوسری بہنوں سے تو وہ بے حد محبت کرتا تھا اور ان کی دلجوئی کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ گلبدن بیگم عمر بھر ہمایوں کی خیر اندیش اور جاں نثار رہی۔

گلبدن بیگم کی عمر سولہ سترہ برس کی ہوئی تو اس کی شادی چغتائی خاندان کے ایک معزز نوجوان خضر خواجہ خاں سے ہو گئی۔ خضر خواجہ خاں کے والد کا نام امین خواجہ تھا اور اس کا جدِ امجد چغتائیوں کا ایک نامور سردار یونس خاں تھا۔

جس زمانے میں ہمایوں اور شیر شاہ سوری میں معرکہ آرائیاں ہو رہی تھیں اور شیر شاہ کا پلّہ بھاری نظر آرہا تھا کامران میرزا بارہ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر لاہور چلا گیا۔ وہ بڑا اصرار کر کے گلبدن بیگم کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جلد ہی ہمایوں بھی شیر شاہ سے شکست کھا کر لاہور پہنچ گیا۔ یہاں آئے ہوئے اسے چار پانچ ماہ ہی گزرے تھے کہ شیر شاہ سوری یلغار کرتا ہوا لاہور کے قریب آپہنچا۔ ہمایوں اور اس کے بھائیوں کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ شیر شاہ کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اہل و عیال اور بچے کھچے لشکر سمیت لاہور خالی کر دیا، اور شمال کا رُخ کیا۔ جہلم سے کسی قدر مغرب کی طرف ہٹ کر جو سڑک خوشاب کو جاتی ہے وہ کوہستان نمک کی ایک بیرونی وادی سے گزر کر ایک ایسے مقام پر پہنچتی ہے، جہاں سے کابل اور سندھ کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ ہمایوں چاہتا تھا کہ کابل چلا جائے لیکن کامران میرزا نے اس کی زبردست مخالفت کی کیونکہ وہ خود کابل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ اس کے پاس زیادہ فوج تھی اس لیے ہمایوں نے

مجبوراً سندھ جانے والا راستہ اختیار کیا اور کامران اپنی فوج کے ساتھ کابل روانہ ہو گیا۔ شاہی خاندان کی زیادہ تر خواتین بھی اس کے ساتھ ہو لیں۔ ان میں گلبدن بیگم بھی تھی۔ چنانچہ وہ ۹۴۷ھ/۱۵۴۱ء سے ۹۵۱ھ/۱۵۴۵ء تک برابر کابل میں کامران کے پاس رہی، اسی دوران میں اس کی والدہ بھی اس کے پاس کابل پہنچ گئی تھی کابل میں اس کی اور بھی بہت سی رشتہ دار خواتین موجود تھیں۔ حمیدہ بیگم نے ہمایوں کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ سندھ کے راستے بے پناہ مصائب جھیلتے ہوئے ایران پہنچ گئے۔ اگرچہ انہیں قدم قدم پر سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ نے ایک خوشی بھی ان کو نصیب کی وہ یہ کہ امرکوٹ (سندھ) کے مقام پر حمیدہ بیگم کے بطن سے اکبر پیدا ہوا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس سفر میں گلبدن بیگم بھی ہمایوں کے ساتھ تھی۔ انہی روایات پر بھروسا کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے ایک مقالے "ہمایوں نامہ گلبدن بیگم" میں لکھا ہے کہ :-

"ہمایوں جب ایران گیا تو حمیدہ بیگم (اکبر کی ماں) بھی ساتھ تھی اور محافہ میں سفر کرتی تھی لیکن ہمایوں کی بہن ہمیشہ گھوڑے پر سوار بادشاہ کے عقب میں چلتی تھی۔"

لیکن جدید تحقیق کے مطابق یہ صحیح نہیں ہے گلبدن بیگم ہمایوں کے ہمراہ ایران نہیں گئی بلکہ کابل میں مقیم رہی۔ اس دوران میں گلبدن بیگم کا شوہر خضر خواجہ خاں کہاں رہا، اس کے بارے میں کسی مؤرخ نے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا البتہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ عسکری میرزا کے پاس قندھار میں تھا۔ ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی (۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء تا ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء) نے ہمایوں کی خاطر خواہ پذیرائی کی اور اس کی ہر ممکن مدد کی۔ کچھ مدت ایران میں قیام کے بعد ہمایوں قندھار پہنچا جس پر عسکری میرزا کا قبضہ تھا۔ عسکری میرزا کچھ عرصہ محصور رہ کر مزاحمت کرتا رہا لیکن بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہمایوں سے معافی کا خواستگار

ہوا۔ ہمایوں نے اُسے معاف کردیا اور قندھار شاہِ ایران کے بیٹے کے سپرد کردیا۔ وہ چند دن بعد فوت ہوگیا تو ہمایوں نے قندھار بیرم خان کے حوالے کردیا اور خود فوج لے کر کابل کو جا گھیرا۔ میرزا کامران تاب مقاومت نہ لاسکا اور کابل سے سندھ کی طرف فرار ہوگیا۔ ہمایوں کابل میں داخل ہوا تو گلبدن بیگم اپنی والدہ دلدار بیگم اور بہن گل چہرہ بیگم کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوئی پانچ سال سے بچھڑے ہوئے بہن بھائی بکمال مسرت ایک دوسرے سے ملے۔ اس کے بعد بھی گیارہ بارہ برس تک گلبدن بیگم کا قیام کابل میں رہا یہاں تک کہ ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کرکے کچھ عرصہ بعد وفات پائی اور اکبر تخت نشین ہوا (۹۶۳ھ-۱۵۵۶ء)۔

اکبر نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ۹۶۴ھ-۱۵۵۷ء میں خاندانِ شاہی کی خواتین کو کابل سے ہندوستان بلا بھیجا۔ چنانچہ اس کی والدہ حمیدہ بیگم، پھوپھیاں، گلبدن بیگم اور گل چہرہ بیگم بہت سی دوسری خواتین کے ساتھ ہندوستان پہنچ گئیں۔ اکبر ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ گلبدن بیگم کا شوہر خضر خواجہ خاں ہمایوں کے ساتھ پہلے ہی ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ ۹۷۰ھ-۱۵۶۳ء میں اکبر زخمی ہوا تو خضر خواجہ خاں نے اس کی مرہم پٹی میں بڑی مدد کی اس کے بعد اسے امیر الامراء بننے کی عزت بھی حاصل ہوئی۔

گلبدن بیگم کے بطن سے خضر خواجہ خاں کی جو اولاد ہوئی اس میں سے صرف ایک بیٹے سعادت یار اور ایک بیٹی کا ذکر مؤرخین نے صراحت کے ساتھ کیا ہے۔

۹۸۳ھ-۱۵۷۵ء میں گلبدن بیگم شاہی خاندان کی بہت سی خواتین کے ساتھ فتح پور سیکری سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئی۔ ان خواتین میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:——

سلیمہ سلطان بیگم (اکبر کی بیوی) سلطانم بیگم (بیوہ عسکری میرزا) حاجی بیگم و گلعذار بیگم (دختران کامران میرزا) اُمِّ کلثوم (گلبدن بیگم کی پوتی) سلیمہ خانم (گلبدن کی بیٹی) گلنار آغاچہ (گلبدن کی سہیلی) سرو قد (بیوہ منعم خاں) صفیہ اور شمیم آغا (ہمایوں کی کنیزیں)۔ اس کاروانِ حج کا امیر گلبدن بیگم کا ایک محرم سلطان خواجہ تھا اور اس کی

نگرانی محمد باقی خاں کوکا اور رومی خاں الیپو کے سپرد تھی - یہ کاروان سورت پہنچ کر بعض مشکلات کی وجہ سے ایک سال تک رکا رہا - پھر بحری جہازوں پر سوار ہو کر بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گیا - حجازِ مقدس میں گلبدن بیگم کا قیام ساڑھے تین سال رہا - اس دوران میں اس نے چار حج کیے اور مدینہ منورہ جا کر روضۂ نبوی کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا - ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں حجازِ مقدس سے واپسی کا آغاز ہوا - اب کی بار خواجہ یحییٰ امیرِ حج تھا جسے اکبر نے حکم دیا تھا کہ خواتین کو واپس لائے - بدقسمتی سے یہ کاروان جس جہاز میں سفر کر رہا تھا وہ عدن کے قریب ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا، تاہم اللہ نے فضل کیا کہ مسافروں کی جانیں بچ گئیں - اس حادثہ کی وجہ سے گلبدن بیگم اور دوسری خواتین کو عدن میں تقریباً ڈیڑھ سال ٹھہرنا پڑا مگر عدن کے ترک گورنر نے ان خواتین کے ساتھ ان کے شایانِ شان سلوک نہ کیا - جب ترکی کے فرمانروا سلطان مراد ثالث کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے گورنر کو سخت سزا دی - آخر تھکا دینے والے انتظار کے بعد مصیبت زدہ خواتین کو جہاز مل گئے اور وہ ان پر سوار ہو کر سورت پہنچیں - وہاں سے ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں فتحپور سیکری پہنچ گئیں - کچھ عرصہ بعد اکبر بادشاہ نے پھوپھی (گلبدن بیگم) سے درخواست کی کہ بابر بادشاہ اور ہمایوں بادشاہ کے بارے میں اسے جو کچھ معلوم ہے اس کو ضبطِ تحریر میں لائے - چنانچہ گلبدن بیگم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ہمایوں نامہ" تالیف کی - تقریباً تین صدیوں تک یہ کتاب پردہ خفا میں رہی - آخر یورپ کی ایک علم دوست خاتون "مسز اے بیورج" (MRS. A. BEVERIDGE) نے اسے بیسیوں کتب خانے کھنگال کر ڈھونڈ نکالا اور نہ صرف اس کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا بلکہ بقول علامہ شبلیؒ حسبِ ذیل باتوں کا اضافہ کیا -

(۱) گلبدن بیگم کی نہایت مفصل سوانح عمری لکھی -

(۲) کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا

(۳) ترکی الفاظ نہایت کثرت سے تھے ان کی تحقیق کی اور ان کو حل کیا -

(۴) کتاب میں سینکڑوں شاہی خاندان کی بیگمات کے نام آگئے تھے ان سب کے حالات لکھے۔

(۵) جس قدر نام کتاب میں آئے ہیں ان کی مفصل فہرست شامل کی۔

یہ کتاب ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

فی الحقیقت "ہمایوں نامہ" گلبدن بیگم کے کمالِ انشاءپردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں اُس نے اپنے عہد کی معاشرت اور زندگی کا حال ایسے البیلے انداز میں لکھا ہے کہ من وعن اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اُس دور کی خواتین (یعنی آج سے چار پانچ سو سال پہلے کی خواتین) کی تہذیب و معاشرت کے جو حالات اس کتاب سے معلوم ہوتے ہیں ان میں سے بعض قابلِ ذکر ہیں مثلاً یہ کہ عورتیں پردے کی سخت پابند تھیں۔ نامحرم کے سامنے ہونا بہت معیوب سمجھتی تھیں۔ نقاب یا برقع کے بغیر باہر نہ نکلتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ فنونِ سپہ گری سے واقف ہوتی تھیں، گھوڑے کی سواری کرتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر مردانہ لباس بھی پہن لیتی تھیں۔ عورتوں کو اپنی شادی اور نکاح کے معاملہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ نکاح سے پہلے ان کی رضامندی حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ خواتین کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اور بڑے گھرانوں میں ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔

گلبدن بیگم شعر و سخن کا نہایت عمدہ مذاق رکھتی تھی لیکن افسوس کہ اس کا سارا کلام سوائے ایک شعر کے امتدادِ زمانہ سے ضائع ہو گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

ہر پری روئے کہ او با عاشقِ خود یار نیست
تو یقیں می داں کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

گلبدن بیگم نے ۶ ذوالحجہ ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۶۰۳ء کو آگرے میں وفات پائی۔ اس وقت قمری سالوں کے حساب سے اس کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس کی تیمار دار بیبیوں نے بڑی محبت اور رقت بھری آواز میں پکارا "بیگم جیو بیگم جیو" گلبدن نے آنکھیں

کھولیں اور نہایت نحیف آواز میں کلمۂ طیبہ پڑھا۔ پھر اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے (جو ایک مکمل مصرعہ ہیں) ع :

من زار بمردم عمرت بادا ارزانی

(یعنی میں تو اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں تم جُگ جُگ جیو)

اکبر کو پھوپھی کی وفات کی خبر ملی تو اس کو سخت صدمہ پہنچا۔ با چشم گریاں دور تک اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ اس کی تدفین کے بعد وہ دیر تک قبر پر کھڑا رہا اور پھر بصد حسرت دیاس محل کو مراجعت کی۔

(اختر تاباں۔ ہمایوں نامہ۔ مقالاتِ شبلی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

عائشہ سُلطان خانم

ماوراء النہر کے سلطان محمد خان کی بیٹی اور چغتائی خاندان کی ایک نامور خاتون کا نام ہے۔ ۹۰۹ھ / ۱۵۰۳ء کے ایک معرکے میں وہ اور اس کے خاندان کی کچھ اور خواتین شیبانی خان (۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء تا ۹۱۵ھ / ۱۵۰۹ء) کے ہاتھ گرفتار ہو گئیں۔ شیبانی خان نے عائشہ سلطان بیگم سے نکاح کر لیا۔ اس تعلق سے ان کے ایک بیٹا محمد رحیم سلطان پیدا ہوا۔

عائشہ سلطان بیگم بڑی عالمہ فاضلہ اور شائستہ خاتون تھی۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھی اور ترکی زبان میں بہت عمدہ شعر کہہ لیتی تھی۔

(مشاہیر نسواں۔ ہمایوں نامہ)
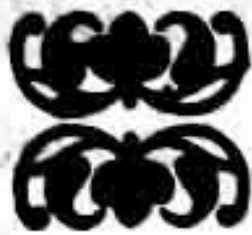
گُل چہرہ بیگم

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی بیٹی تھی۔ صالحہ سلطان کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا نام گل رخ بیگم لکھا ہے اور اس کے ذوقِ شعروادب کی بڑی تعریف کی ہے۔ علی حسن خان نے تو اپنی کتاب "صبح گلشن" میں "گل رُخ" کی مناسبت سے یہاں تک لکھا ہے کہ "گل رخ بیگم، گل رُخی، شگفتہ روئی اور سلیقۂ شاعری کے لحاظ سے زمرۂ نسواں میں امتیازی درجہ رکھتی تھی اور بہت ہی لطیف اشعار کہتی تھی۔" لیکن ابوالقاسم محتشم نے اپنی کتاب "اختر تاباں" میں اس کا نام گل چہرہ بیگم لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہمایوں نامہ (مصنفہ گلبدن بیگم) کے مطابق گل رُخ بیگم بابر کی ایک بیگم کا نام تھا جس کے بطن سے بابر کے پانچ بچے کامران میرزا، عسکری میرزا، شاہ رُخ میرزا، سلطان احمد میرزا، اور گل عذار بیگم پیدا ہوئے۔

گل چہرہ بیگم، ایک دوسری بیگم صالحہ سلطان کے بطن سے تھی۔ یہ وہی صالحہ سلطان ہے جو تاریخ میں دلدار بیگم کے نام سے مشہور ہے۔ دلدار بیگم کے بطن سے بابر کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ گلرنگ بیگم، گُل چہرہ بیگم، ہندال میرزا، گلبدن بیگم اور الور میرزا۔ الور میرزا کمسنی ہی میں فوت ہو گیا۔ گلرنگ کی شادی ایسن تیمور سلطان سے، گل چہرہ بیگم کی توختہ بوغا سلطان سے اور گلبدن بیگم کی خضر خواجہ خان سے ہوئی۔ اول الذکر دونوں بہنوں کی شادی بابر نے اپنی وفات سے چند دن پہلے کر دی تھی۔ گلبدن بیگم کی شادی عہدِ ہمایوں میں ہوئی۔ شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد گل چہرہ بیگم کا شوہر توختہ بوغا سلطان اودھ میں اچانک فوت ہو گیا۔ اس وقت گل چہرہ بیگم بھی اس کے پاس اودھ میں تھی۔ ہمایوں بادشاہ نے یہ خبر سنی تو گل چہرہ بیگم

کو اپنے پاس آگرہ بلالیا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ گل چہرہ بیگم کا نکاحِ ثانی میرزا نورالدین محمد سے ہوا کیونکہ تاریخوں میں اس کو بابر کا داماد بتایا گیا ہے۔ نورالدین محمد سلطان حسین بایقرا والیٔ ایران شرقی کا پوتا تھا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے اکبر بادشاہ کی بیگم سلیمہ سلطان بیگم مخفی کو میرزا نورالدین محمد اور گل رخ بیگم کی بیٹی بتایا ہے لیکن ہمارے خیال میں وہ میرزا نورالدین محمد اور گل چہرہ بیگم کی بیٹی تھی۔

علی حسن خان نے "صبح گلشن" میں جو اوصاف گل رُخ بیگم سے منسوب کیے ہیں وہ اوصاف گل چہرہ بیگم کے تھے۔ افسوس کہ اس "سر آمد زمرۂ نسواں" کا تمام کلام سوائے اس شعر کے ضائع ہو چکا ہے: ؎

ہیچ گہ کہ آں شوخ گل رخسار بے اغیار نیست!
راست بود است آں کہ در عالم گل بے خار نیست

(مشاہیر نسواں، ہمایوں نامہ، ہمدرد صحت "ڈائجسٹ" اگست ۱۹۷۰ء)

(اختر تاباں، "معارف" لاہور جنوری ۱۹۸۱ء)

ملکہ نور بانو

ترکی کے عثمانی فرمانروا سلطان مراد ثالث (۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء تا ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء) کی والدہ تھی، نہایت نیک سیرت، دیندار اور مخیّر خاتون تھی۔ رفاہِ عامہ کے کام کر کے اس کو دلی مسرت ہوتی تھی۔ ایسے کاموں پر بے دریغ روپیہ لٹاتی رہتی تھی قسطنطنیہ میں آج بھی اس کی یادگار ایک عظیم الشان جامع مسجد موجود ہے جو "اسکی والدہ جامع" کہلاتی ہے۔ ملکہ نے یہ مسجد ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء ہجری میں تعمیر کرائی تھی اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ بھی ملحق کیا تھا۔ (مشاہیر نسواں)

حمیدہ (بانو) بیگم

نصیر الدین محمدؒ ہمایوں بادشاہ (۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ / ۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء) کی بیگم تھی۔
گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں کہیں اس کا نام حمیدہ بانو بیگم لکھا ہے اور کہیں حمیدہ بیگم۔ جلال الدین محمدؒ اکبر بادشاہ اسی کے بطن سے پیدا ہوا۔ حمیدہ بانو بیگم کے والد میر بابا دوست ہمایوں کے علاتی بھائی مرزا ہندال (پسر حقیقی دلدار بیگم) کے استاد تھے۔ ہمایوں اکثر اپنی سوتیلی ماں (دلدار بیگم) کے محل میں جایا کرتا تھا وہیں اس نے حمیدہ بانو بیگم کو دیکھا اور ارادہ کرلیا کہ اس سے شادی کرے گا۔ حمیدہ بانو بیگم بڑی باوقار اور باحیا خاتون تھی اور پردہ کی سختی سے پابندی کرتی تھی۔ ہمایوں نے اسے اتفاقاً ہی دیکھ لیا تھا ورنہ وہ کبھی کسی نامحرم کے سامنے نہ ہوتی تھی البتہ جب ہمایوں تخت شاہی پر بیٹھا تو دستور کے مطابق وہ دوسری خواتین کے ساتھ بادشاہ کے سلام کو گئی لیکن اس کے بعد جب ہمایوں نے اس کو دوبارہ بلا بھیجا تو اس نے اس بناء پر جانے سے انکار کردیا کہ آداب سلطنت کے لحاظ سے میں ایک مرتبہ بادشاہ کے سلام کو جاچکی ہوں، دوبارہ جانا نامحرم کے سامنے جانا ہے اور یہ شریعت میں جائز نہیں۔ (اس وقت تک حمیدہ بانو بیگم کا نکاح ہمایوں سے نہیں ہوا تھا) اس موقع پر حمیدہ بانو بیگم نے جو الفاظ کہے، گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" میں انہیں اس طرح نقل کیا ہے :-

دیدنِ بادشاہاں یک مرتبہ جائز است ۔ در مرتبہ دیگر نامحرم است۔ من نمی آیم
(یعنی بادشاہوں کا دیکھنا ایک مرتبہ جائز ہے۔ دوسری مرتبہ ان کی حیثیت نامحرم کی ہے۔ میں نہیں آتی)

اس کے بعد جب ہمایوں نے حمیدہ بیگم سے شادی کرنی چاہی تو وہ راضی نہیں ہوتی تھی

ایک مہینہ سے زیادہ جھگڑا رہا۔ بالآخر بڑی مشکلوں سے راضی ہوئی۔ "ہمایوں نامہ" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"غرضکہ تا چہل روز از جہت حمیدہ بانو بیگم مبالغہ و مناقشہ بود بیگم راضی نشدند۔ آخر حضرت والدہ ام (دلدار بیگم) نصیحت کردند کہ آخر خود بہ کسے

خواہی رسید، بہتر از بادشاہ کہ خواہد بود؟

بیگم گفتند کہ آرے بہ کسے خواہم رسید کہ دست من بگریبان او برسد نہ آنکہ

بہ کسے برسم کہ دست من میدانم بہ دامن او نرسد۔"

(یعنی چالیس دن تک حمیدہ بانو بیگم برابر اپنے انکار پر جمی رہی اور راضی نہ ہوئی آخر میری والدہ (دلدار بیگم) نے اسے نصیحت کی کہ آخر تو کسی کے پلّے بندھے گی بادشاہ سے بہتر کون ہے؟ حمیدہ بانو بیگم نے کہا کہ ہاں اس کے پلّے بندھوں گی جس کے گریبان تک میرا ہاتھ پہنچ سکے نہ اس سے کہ میرا ہاتھ اس کے دامن تک بھی نہ پہنچے۔)

خیر آخرکار ہمایوں اور حمیدہ بانو بیگم کی شادی ہو گئی اس کے بعد حمیدہ بانو بیگم نے آخری دم تک ہمایوں کے ساتھ حقِ وفاداری نباہا اور ہر مشکل اور مصیبت میں اس کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران کی طرف بھاگا تو اس پُر صعوبت سفر میں حمیدہ بانو بیگم بھی اس کے ساتھ تھی راستے کے تمام مصائب و آلام اس نے بڑی ہمت اور حوصلے سے برداشت کیے۔ اسی سفر کے دوران میں امرکوٹ (سندھ) کے مقام پر اس کے بطن سے اکبر پیدا ہوا ——— حمیدہ بانو بیگم بڑی خدا ترس اور پابندِ شریعت خاتون تھی۔ اس کو حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور وہ حاجی بیگم کے لقب سے مشہور ہو گئی۔ اس نے ملک عرب سے تین سو عرب لا کر ۹۶۹ھ / ۱۵۶۱ء میں ایک موضع آباد کیا جو اب تک عرب سرائے کے نام سے مشہور ہے اور دلّی سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حمیدہ بانو بیگم نے اپنے بیٹے اکبر بادشاہ کے عہد میں ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء میں وفات پائی۔ اس کو مریم مکانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (ہمایوں نامہ۔ منتخب التواریخ۔ طبقاتِ اکبری)

ملکہ ماہ چوچک بیگم

نصیر الدین محمد بادشاہ کی سب سے چھوٹی بیگم تھی۔ ہمایوں سے اس کی شادی ۹۴۲ھ / ۱۵۴۶ء میں ہوئی۔ اس کے بطن سے ہمایوں کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں سے محمد حکیم میرزا نے تاریخ میں خاصی شہرت پائی۔ محمد حکیم مرزا سے ہمایوں کو بہت محبت تھی۔ چنانچہ جب وہ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۴ء میں ہندوستان کی دوبارہ تسخیر کے لیے کابل سے روانہ ہوا تو تین سالہ محمد حکیم میرزا کو کابل کا گورنر اور منعم خان خانخاناں کو اس کا سرپرست مقرر کیا۔ ہندوستان پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد ہمایوں زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ اکبر تخت نشین ہوا تو کابل کا سابق انتظام بحال رکھا۔ ۹۶۸ھ / ۱۵۶۱ء میں منعم خان خانخاناں کو دربار اکبری میں طلب کیا گیا تو اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے غنی خان کو کابل میں چھوڑا۔ غنی خان بہت نالائق شخص تھا اور اس میں حکومت کرنے کی مطلق اہلیت نہ تھی چنانچہ ماہ چوچک بیگم نے اس کو کابل سے نکال باہر کیا اور خود اپنے نابالغ بیٹے محمد حکیم میرزا کی سرپرست بن گئی —— دو بااثر امیروں مقاتل بیگ اور ابوالفتح بیگ نے پہلے تو اس کی مدد کی لیکن بعد میں اس کے خلاف ہو گئے۔ ماہ چوچک بیگم نے دونوں کو مروا ڈالا اور اطمینان سے حکومت کرنے لگی۔ اُدھر غنی خان ہندوستان پہنچا تو اکبر نے منعم خان خانخاناں کو کچھ فوج دے کر کابل کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ ماہ چوچک بیگم اپنی فوج لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلی اور جلال آباد کے مقام پر اس کو شکست دے کر ہندوستان کی طرف بھگا دیا۔

۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء میں لاہور کا ایک سابق گورنر شاہ ابوالمعالی ترمذی (ایک دوسرے امیر احمد بیگ کے قتل میں ماخوذ ہونے اور اکبر بادشاہ کی عدول حکمی کرنے

کی بنا پر) ہندوستان سے بھاگ کر کابل پہنچا اور ماہ چوچک بیگم سے پناہ طلب کی۔
اس سلسلے میں اس نے ملکہ کو جو عرضی بھیجی اس کے آخر میں یہ شعر تھا ؎

مابدیں در نہ پئے عزت وجاہ آمدہ ایم　　　از بد حادثہ اینجا بہ پناہ آمدہ ایم

ماہ چوچک بیگم نے اس کی عرضی کے جواب میں لکھ بھیجا :۔

کرم نما د فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

ابوالمعالی جب دربار میں حاضر ہوا تو ماہ چوچک بیگم نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اس کی نہایت عزت وتکریم کی یہاں تک کہ اپنی ایک بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا لیکن ابوالمعالی نہایت کمینہ اور نمک حرام نکلا۔ اس نے کابل پر قبضہ کرنے کی خاطر ماہ چوچک بیگم اور چند دوسرے امراء کو قتل کر دیا۔ جب کابل کے لوگوں نے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا تو اس نے بہت سے لوگوں کو مار ڈالا۔ محمد حکیم میرزا کہیں روپوش ہو گیا اور یہ ساری داستان سلیمان میرزا والیٔ بدخشاں کو لکھ بھیجی۔ سلیمان مرزا اور اس کی اہلیہ حرم بیگم فوراً بدخشاں سے ایک زبردست فوج لے کر کابل کی طرف بڑھے اور غوربند کے مقام پر ابوالمعالی کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ پھر اسے محمد حکیم میرزا کے حوالے کر دیا جس نے اس محسن کُش نمک حرام کو قتل کر دیا۔ چند دن کے بعد سلیمان میرزا اور حرم بیگم کابل کی حکومت محمد حکیم میرزا کے سپرد کر کے واپس بدخشاں چلے گئے۔

(ہمایوں نامہ۔ مشاہیر نسواں۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ)

چوچک بیگم

سندھ کے حکمران حسین شاہ ارغون[1] (۹۲۸ھ/۱۵۲۱ء تا ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) کی بیٹی اور مرزا کامران (پسر بابر و برادر ہمایوں بادشاہ) کی بیوی تھی۔ ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء میں بابر کی وفات کے بعد ہمایوں تخت و تاج کا مالک بنا مگر اس کا بھائی مرزا کامران اس کے خلاف بار بار شورشیں برپا کرتا رہا۔ تاریخ کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کامران کی سرکشی کا بڑا سبب "کابل پر قبضہ" تھا۔ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ کابل پر "بلاشرکتِ غیرے حکمرانی" کرے۔ اگر ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ہندوستان سے نکلنے پر مجبور نہ ہو جاتا تو شاید مرزا کامران کابل کا مستقل والی بنا دیا جاتا لیکن ہندوستان کو ہاتھ سے کھو دینے کے بعد کابل پر قبضہ ہمایوں کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب اس نے ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء میں کابل کی طرف پیشقدمی

---

[1] حسین شاہ ارغون جو مرزا شاہ حسن کے نام سے بھی مشہور تھا، سندھ پر ۳۴ سال تک حکمران رہا۔ وہ ۸۹۶ھ/۱۴۹۰ء میں قندھار میں پیدا ہوا جو اس کے والد شاہ بیگ کے زیرنگین تھا۔ ۹۱۳ھ/۱۵۰۷ء میں بابر نے قندھار پر قبضہ کیا تو شاہ بیگ سندھ آ گیا جہاں اس نے شال اور سبی کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء میں حسین شاہ اپنے باپ سے ناراض ہو کر بابر کے پاس چلا گیا اور دو سال اس کی ملازمت میں رہا پھر باپ سے صلح کر کے واپس سندھ آ گیا۔ ۹۲۸ھ/۱۵۲۱ء میں اس کے والد نے وفات پائی اور وہ بالائی سندھ کا حکمران بن گیا۔ جلد ہی اس نے جام فیروز کو شکست دے کر ٹھٹھہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۹۳۱ھ/۱۵۲۴ء میں وہ سورائی، ماؤ اور اُچ کے قلعوں کو فتح کرتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا لیکن سلطان حسین لنگاہ دوم والیٔ ملتان نے اس سے صلح کر لی۔ اب حسین شاہ ارغون نے قلعہ دراوڑ (سابق ریاست بہاولپور)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی تو مرزا کامران، جو اس وقت کابل کا حکمران تھا۔ کابل سے بھاگ کر سندھ آگیا! اس وقت حسین شاہ ارغون سندھ کا حکمران تھا۔ مرزا کامران نے اس کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنا فرزند (داماد) بنالیں۔ حسین شاہ نے اس کا پیغام قبول کرلیا اور اسے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا اور قلعے میں مدفون ایک بہت بڑا خزانہ اس کے ہاتھ آگیا۔ اگلے سال اس نے ملتان کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ ملتان ایک سال تک مقابلے پر ڈٹے رہے لیکن آخر کار شدید قحط کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ حسین شاہ نے شہر میں داخل ہو کر اسے خوب لوٹا اور پھر فتح کا پھریرا اڑاتا بھکر واپس چلا گیا۔ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ چلا آیا اور حسین شاہ ارغون سے مدد مانگی لیکن اس نے بوجوہ اس کو مدد دینے سے پہلو تہی کی اس پر ہمایوں نے بھکر کے قلعے پر قبضہ کرلیا بعد میں ہمایوں اور حسین شاہ میں مفاہمت ہوگئی اور ہمایوں قلعۂ بھکر اپنے ایک عزیز یادگار ناصر کے سپرد کر کے ایران کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی حسین شاہ نے یادگار ناصر سے قلعۂ بھکر چھین لیا۔ حسین شاہ ارغون کی زندگی کے آخری پانچ سال بڑی تکلیف میں گزرے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا تھا کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر نہ بیٹھ سکتا تھا اور ہمیشہ کشتی کے ذریعے سفر کرتا تھا۔ کشتی کے ذریعے سفر کرنے کا سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی بیماری میں دریا کی آب وہوا سے افاقہ ہو جاتا تھا اس لیے وہ اکثر دریا ہی کے ماحول میں رہتا تھا اور اس کی کشتی ہر وقت دریا کی سطح پر تیرتی رہتی۔ آخر ۱۲ ربیع الاوّل ۹۶۲ھ / ۴ فروری ۱۵۵۵ء کو وہ فالج کے حملے سے فوت ہو گیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حسین شاہ ارغون بڑا عالم فاضل آدمی تھا۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتا تھا، اور کبھی کبھی سپاہی تخلص سے فارسی زبان میں شعر بھی کہا کرتا تھا۔ وہ علماء و مشائخ کا قدر دان تھا اور بہت سے اربابِ علم کو باقاعدہ وظیفے دیا کرتا تھا۔ (ہمایوں نامہ۔ دائرہ معارف اسلامیہ)

ضلع دادو کے ایک قصبے پاٹ میں ٹھہرایا اور وہیں اپنی بیٹی چوچک بیگم کی شادی بڑی شان وشوکت کے ساتھ مرزا کامران سے کر دی۔ مرزا کامران تین ماہ تک پاٹ میں ٹھہرا پھر اس کے دل میں کابل پر حکمرانی کے شوق نے چٹکی لی اور وہ کچھ فوج جمع کر کے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ حسین شاہ نے بھی ایک ہزار مسلح سپاہی اس کے ساتھ کر دیئے۔ مرزا کامران غزنی کو فتح کرتا ہوا کابل پہنچا۔ ہمایوں اس وقت بدخشاں میں تھا اس لیے مرزا کامران نے شہر پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو خبر ہوئی تو وہ فوراً کابل پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ سات مہینے تک جاری رہا۔ بالآخر مرزا کامران کابل سے بھاگ کر کولاب کی طرف چلا گیا اور کچھ عرصہ اپنے ہوا خواہوں کے ساتھ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے ایک دن ہمایوں کی فوج پر شب خون مارا جو اس وقت کابل سے دور "تنگی ہا" میں خیمہ زن تھی۔ اس شب خون میں ہمایوں کا نہایت پیارا اور وفادار بھائی مرزا ہندال مارا گیا۔ ہمایوں کو اس کی موت سے سخت صدمہ پہنچا مگر کامران کو بھی کچھ حاصل نہ ہوا اور وہ بھاگ کر شیر شاہ سوری کے فرزند اور جانشین سلیم شاہ سوری کے پاس ہندوستان چلا گیا مگر جلد ہی اس کو سلیم شاہ سوری سے بھی خطرہ محسوس ہوا اس لیے وہاں سے بھاگ کر بھیرہ اور خوشاب جا پہنچا پھر اس علاقے کے ایک نامور سردار آدم گکھڑ سے پناہ کا خواستگار ہوا مگر اس نے اسے گرفتار کر کے ہمایوں کے پاس بھیج دیا۔ ہمایوں تو اس سے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہتا تھا لیکن تمام عمائد اور امراء نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ہمایوں نے ان کے اصرار سے مجبور ہو کر حکم دیا کہ مرزا کامران کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی جائے تاکہ آئندہ وہ کوئی فتنہ برپا نہ کر سکے۔ چنانچہ مرزا کامران کی آنکھوں میں نشتر لگا کر اسے اندھا کر دیا گیا۔ نابینا ہونے کے بعد مرزا کامران محتاجی اور بیکسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔ مصیبت کے ان ایام میں چوچک بیگم نے اپنے اندھے خاوند کا پورا پورا ساتھ دیا اور ناز و نعم میں پلی ہوئی شہزادی نے اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کچھ عرصہ بعد مرزا کامران نے ہمایوں سے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ اس نے ہاں کر لی تو وہ ۹۶۱ھ ۱۵۵۴ء میں براہ سندھ حج کے لیے روانہ ہوا۔ جب سندھ میں وارد ہوا تو اس کے خسر

حسین شاہ ارغون نے اسے شاہ بیلہ میں ٹھہرایا جو سکھر اور روہڑی کے درمیان دریا میں ایک پُرفضا مقام ہے پھر اس کے قیام کے لیے فتح باغ مخصوص کردیا اور پرگنہ میرپور رشورد کی تمام آمدنی اس کے مطبخ کے خرچ کے لیے دے دی۔ چوچک بیگم برابر اس کے ساتھ رہی۔ چونکہ مرزا کامران نے صدقِ دل سے حج پر جانے کا ارادہ کیا تھا اس لیے شاہ بیلہ میں چند دن قیام کے بعد وہ سفرِ حج کے لیے تیار ہوگیا۔ چوچک بیگم نے والد سے کہا کہ وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ جائے گی۔ حسین شاہ نے اپنی پیاری بیٹی کو سمجھایا کہ مرزا کامران کا مستقبل اب ختم ہوچکا ہے تم اس کا خیال چھوڑ دو اور اپنی جان جوکھوں میں نہ ڈالو۔ یہیں میرے پاس رہو اور عیش و راحت کی زندگی گزارو۔ مگر وفا شعار شہزادی اپنے ارادے پر چٹان کی طرح قائم رہی اور اپنے اندھے خاوند کو بے یار و مددگار چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ وہ بار بار یہی کہتی تھی میں اپنے شوہر کو ایسی حالت میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں جبکہ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ میرے سہارے کا محتاج ہے۔ آخر وہ باپ کی مرضی کے خلاف مرزا کامران کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئی۔ حسین شاہ ارغون خود کشتی میں آیا اور بیٹی کو روکنا چاہا تو اس نے کہا، ابا جان جب میرے شوہر کے بادشاہ بننے کی امید تھی اور اس کی آنکھیں اچھی تھیں، آپ نے میری شادی اس سے کردی اب جبکہ وہ مصیبت کا شکار ہوگیا ہے، آپ کہتے ہیں کہ میں اس کا ساتھ چھوڑ دوں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا میری غیرت اس بے وفائی کی اجازت نہیں دیتی اور پھر دنیا آپ کو کیا کہے گی کہ بیٹی کو اپنے معذور اور بے سہارا شوہر سے بے وفائی کرنے پر مجبور کیا ——— میں تو اب اپنے خاوند ہی کے ساتھ جیوں گی اور اسی کے ساتھ مروں گی۔ یہ سن کر حسین شاہ پر رقت طاری ہوگئی اور اس نے بیٹی اور داماد کو "خدا تمہارا نگہبان ہو" کہہ کر رخصت کردیا۔ دونوں میاں بیوی اپنے ایک وفادار ملازم حلیمہ بیگ کے ساتھ بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مرزا کامران نے چار بار حج کی سعادت حاصل کی (چوچک بیگم بھی یقیناً اس کے ساتھ رہی ہوگی) ۱۱ ذی الحجہ ۹۶۴ھ / ۵ اکتوبر ۱۵۵۷ء کو اس نے مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی۔ چوچک بیگم شوہر کی وفات کے بعد صرف سات ماہ زندہ

رہی۔ یہ سارا عرصہ اس نے مکہ معظمہ ہی میں گزارا اور پھر اسی مقدس سرزمین میں پیوندِ خاک ہو گئی۔ (ہمایوں نامہ۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ)

حبّہ خاتون

حبّہ خاتون کا شمار دسویں صدی ہجری کے کشمیر کی نامور خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ کشمیری زبان کی ایک بلند پایہ شاعرہ تھی۔ غزل جو شاعری کی قدیم ترین اور مقبول ترین صنف ہے کشمیری زبان کی شاعری میں اس کی بنیاد حبّہ خاتون نے رکھی۔ اس کا اصل نام زونی (یعنی چاند) تھا لیکن اس نے حبّہ خاتون کے نام سے شہرت پائی۔ وہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں کشمیر کے ایک غیر معروف گاؤں چندن بار میں پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کمال درجے کے حسن و جمال، غیر معمولی ذہانت و فطانت اور ذوقِ شاعری سے نوازا تھا۔ بچپن ہی میں شعر موزوں کرنے لگی یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ایک قادر الکلام شاعرہ بن گئی۔ اس کی پہلی شادی ایک خشک مزاج دیہاتی نوجوان سے ہوئی۔ ساس بھی اس پر بہت سختیاں کرتی تھی۔ ایک دن وہ اپنے کھیت میں بیٹھی ساس کی زیادتیوں کے خلاف گیت گا رہی تھی کہ کشمیر کے بادشاہ یوسف شاہ چک کا ادھر سے گزر ہوا، وہ اس کے پُرسوز گیت اور حسن و جمال سے بہت متاثر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے زونی کو اس کے شوہر سے طلاق دلوا کر اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اب وہ ملکۂ کشمیر بن کر حبّہ خاتون کے نام سے مشہور ہو گئی۔ حرم شاہی میں اس کی شاعری نے خوب جلا پائی۔ اس نے کشمیری شاعری میں عربی فارسی عروض کو رائج کیا۔ چند سال کے بعد مغل حکومت نے یوسف شاہ چک کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔ حبّہ خاتون اب تارک الدنیا ہو گئی۔ اس زمانے میں اس نے شوہر کے فراق میں بڑے دردناک گیت کہے۔ وہ یہ گیت گاتے ہوئے وادی میں دیوانہ وار گھومتی پھرتی رہتی تھی۔ اسی حالت میں اس نے سری نگر کے قریب ایک گاؤں میں سنہ ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) میں وفات پائی۔ (خواتینِ کشمیر)

حرم بیگم

دسویں صدی ہجری میں تیموری خاندان کی بڑی نامور خاتون ہوئی ہے۔ وہ امیر تیمور (المتوفی ۸۰۷ھ / ۱۴۰۴ء) کی پڑپوتی اور سلیمان مرزا والی بدخشاں کی بیگم تھی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد دوم ص ۹۸۶) میں سلیمان مرزا کو ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے لیکن ہمایوں نامہ (گلبدن بیگم) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رشتے میں بابر کا بھتیجا ہوتا تھا کیونکہ اس کا والد میرزا خان بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ میرزا خان اپنے قبیلے کا سردار تھا اور کچھ عرصہ بدخشاں کا والی بھی رہا تھا۔ اس کی وفات کے وقت سلیمان مرزا کمسن تھا، بابر نے اس کی ماں کی خواہش پر اس کو معقول جاگیر اور باپ کی وراثت عطا کی اور اپنے فرزند ہمایوں کو بدخشاں کا والی مقرر کر دیا لیکن کچھ مدت بعد اس نے بدخشاں کی ولایت سلیمان مرزا کو سونپ دی۔ بابر کے بعد ہمایوں نے بھی اس کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا۔

حرم بیگم بڑی ذہین، طباع، دانا اور دلیر خاتون تھی۔ وہ اپنے شوہر کی بھی نہایت وفادار تھی۔ ایک دفعہ بابر کے فرزند میرزا کامران نے ایک مکار عورت ترخان بیگہ کے بہکاوے میں آکر حرم بیگم کو ایک عشقیہ خط لکھ مارا۔ یہ خط اور ایک رومال (منہ صاف کرنے والا رومال) اس نے ایک عورت بیگی آغا کے ہاتھ حرم بیگم کو بھیجا۔ حرم بیگم نے اس سے کہا کہ یہ خط اور رومال ابھی اپنے پاس ہی رکھو جب میرزا سلیمان باہر سے آئے تو اس وقت یہ دونوں چیزیں لے آنا۔ بیگی آغا بہت روئی اور بڑی لجاجت اور عاجزی سے حرم بیگم سے کہا کہ میرزا کامران نے یہ خط اور رومال آپ کو بھیجا ہے اور وہ بہت دنوں سے آپ سے ملاقات کرنے کی آرزو رکھتا ہے لیکن آپ بے مروّتی سے کام لے رہی ہیں۔ حرم بیگم نے اس کو بہت جھڑکا اور اسی وقت

میرزا سلیمان اور اپنے فرزند میرزا ابراہیم کو بلا بھیجا، وہ آئے تو اس نے خط ان کے سامنے پھینک دیا اور کہا کہ میرزا کامران تمہیں بزدل اور بے غیرت سمجھتا ہے، تبھی اس نے یہ اس طرح کا خط مجھے لکھا ہے۔ میرزا کامران تمہارا بڑا بھائی ہے اور میں اس کی بیٹیوں کے برابر ہوں لیکن اسے یہ خط مجھے بھیجتے ہوئے شرم نہ آئی۔ اب یہ خط لو اور اس عورت (بیگی آغا) کو ایسی سزا دو کہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو اور کوئی کسی کے اہل خانہ پر بری نظر نہ ڈالے۔

میرزا سلیمان اور میرزا ابراہیم نے اسی وقت بیگی آغا کی گردن اڑا دی اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس دن کے بعد وہ میرزا کامران کے دشمن بن گئے (اور ہمیشہ ہمایوں کے ہوا خواہ رہے) اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہمایوں نے کابل سے نکل کر دشت قبچاق میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا کہ میرزا کامران نے اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ ہمایوں زخمی ہو گیا اور دشت قبچاق سے پسپا ہو کر اندراب چلا گیا۔ میرزا سلیمان، میرزا ابراہیم اور میرزا ہندال فوراً اس کے پاس پہنچ گئے۔ جب ہمایوں کے زخم ٹھیک ہو گئے تو وہ ان کو ساتھ لے کر کابل کی طرف بڑھا۔ میرزا کامران بھی اپنی فوج لے کر مقابلے کے لیے کابل سے نکلا۔ ہمایوں نے حرم بیگم کو پیغام بھیجا کہ بدخشاں کی فوج جتنی جلدی ممکن ہو میرے پاس بھیج دو۔ حرم بیگم نے یہ پیغام ملتے ہی فوج جمع کرنی شروع کر دی اور چند دن کے اندر اندر ہزاروں جنگجو جمع کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کر دیا۔ پھر وہ اس فوج کو اپنی نگرانی میں درّہ تک لائی۔ خود تو وہاں رک گئی اور فوج کو ضروری ہدایتیں دے کر آگے روانہ کر دیا۔

یہ فوج ہمایوں کے پاس پہنچی تو اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اس نے چار کاران یا قرا باغ کے مقام پر میرزا کامران کو شکست دے کر "تنگی ہا" کی طرف بھگا دیا، اور کابل پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مسز انیٹ بیورج جنہوں نے "ہمایوں نامہ" کو انگریزی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیا لکھتی ہیں کہ "حرم بیگم نے جو فوج بھیجی بہت ممکن ہے کہ وہ کمکی فوج ہو۔ یہ فوج جس لڑائی میں شریک ہوئی اسے معرکہ اشترگرم

کہا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ حرم بیگم فوج پر بڑا اثر رکھتی تھی اور وہ بدخشاں کی سب سے طاقت ور خاتون تھی۔"

ہمایوں کے نزدیک حرم بیگم کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹی بخشی بانو کی شادی حرم بیگم کے بیٹے ابراہیم میرزا سے کر دی اور اپنے بیٹے محمد حکیم میرزا کی شادی حرم بیگم کی چھوٹی بیٹی سے کر دی۔

۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں (بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ) حرم بیگم اور سلیمان مرزا کو محمد حکیم میرزا والی کابل کی طرف سے پیغام ملا کہ اس کے بہنوئی ابوالمعالی نے اس کی والدہ ماہ چوچک بیگم (اکبر کی سوتیلی والدہ) کو قتل کر کے کابل پر قبضہ کر لیا ہے وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچیں۔ حرم بیگم نے یہ پیغام ملتے ہی بدخشاں کی فوج کو تیاری کا حکم دیا اور خود اس کی قیادت کرتی ہوئی کابل کی طرف لپکی۔ سلیمان میرزا بھی اس کے ہمراہ تھا۔ ابوالمعالی نے گوربند وادی میں بدخشانی فوج کا مقابلہ کیا مگر بری طرح شکست کھائی اور پکڑا گیا۔ حرم بیگم نے اسے محمد حکیم میرزا کے حوالے کر دیا۔ اس نے نمک حرام ابوالمعالی کی گردن اڑا دی۔ حرم بیگم اور سلیمان میرزا نے کابل کی کچھ جاگیریں بدخشانیوں میں بانٹ دیں اور کابل کی حکومت محمد حکیم میرزا کے سپرد کر کے بدخشاں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد کابلیوں نے کابل میں مقیم بدخشانیوں کو خوب مارا۔ حرم بیگم اور سلیمان میرزا کو خبر ہوئی تو وہ فوج لے کر پھر کابل پہنچے۔ محمد حکیم مرزا کابل سے بھاگ کر ہندوستان پہنچا اور اپنے بڑے بھائی اکبر بادشاہ سے مدد کی درخواست کی اس نے ایک مضبوط فوج محمد حکیم مرزا کے ساتھ کر دی۔ جب یہ فوج کابل کے قریب پہنچی تو حرم بیگم اور سلیمان میرزا کابل خالی کر کے بدخشاں چلے گئے۔ جب تک حرم بیگم زندہ رہی وہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر بڑے ٹھاٹھ سے بدخشاں پر حکومت کرتی رہی مگر جونہی ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء میں اس نے وفات پائی بدخشاں سلیمان میرزا کے ہاتھ سے چھن گیا چھیننے والا اس کا پوتا شاہ رخ تھا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کو سلیمان میرزا کا نواسہ بتایا گیا ہے لیکن انیتنٹے نے "ہمایوں نامہ" کی تعلیقات میں اس کو سلیمان میرزا کا پوتا بتایا ہے جو اس کے بیٹے ابراہیم میرزا کی دوسری بیوی محترمہ خانم چغتائی کے بطن سے تھا۔

(ہمایوں نامہ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

ماہم انگہ

ندیم خاں کوکا کی بیوی تھی جو ہمایوں بادشاہ کا ایک وفادار خادم تھا۔ تیموریوں میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ کو بچپن میں (ماں کے علاوہ) جو بی بی دودھ پلاتی تھی وہ انگہ کہلاتی تھی اور اس کا شوہر اتکہ خان کا خطاب پاتا تھا۔ انگہ کا جو بچہ شہزادے کا دودھ شریک ہوتا تھا وہ شہزادے کا کوکا کہلاتا تھا۔ ماہم نے چونکہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو اس کے بچپن میں دودھ پلایا تھا اس لیے وہ ماہم انگہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اگرچہ اکبر کو کچھ اور عورتوں نے بھی دودھ پلایا تھا اور وہ بھی اس کی انگہ کہلاتی تھیں لیکن جو عروج اور اثر و اقتدار ماہم انگہ کو نصیب ہوا وہ کسی دوسری انگہ کے حصے میں نہیں آیا۔ ماہم انگہ کا شوہر ندیم خاں اتکہ خان کے بجائے کوکا کہلاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ندیم خان کی والدہ نے ہمایوں بادشاہ کو دودھ پلایا تھا اور وہ ہمایوں کا دودھ شریک بھائی تھا! اس لیے ہمایوں اور اکبر کے عہد میں اس نے "کوکا" ہی کے لقب کو اپنے لیے بزرگی اور افتخار کا باعث سمجھا۔ اس کا بیٹا ادھم خان بھی، جو اکبر کا دودھ شریک بھائی تھا، بادشاہ کا کوکا کہلاتا تھا۔

ہمایوں بادشاہ ماہم انگہ کی بے حد عزت کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اکبر سے بے انتہا پیار کرتی تھی اور ایک دفعہ تو اس نے اس کی خاطر جان کی بازی لگا دی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب اکبر کمسن تھا اور اپنے چچا کامران کے پاس کابل میں تھا۔ کامران نے چونکہ ہمایوں سے سرکشی اختیار کی تھی اس لیے ہمایوں نے کابل کا محاصرہ کر کے اس پر گولہ باری شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن کامران نے ننھے اکبر کو شہر پناہ پر کھڑا کر دیا (یا کسی ایسی جگہ کھڑا کر دیا جس طرف ہمایوں کے سپاہیوں کی گولیاں آ رہی تھیں) ماہم انگہ بھی اس زمانے میں کابل میں تھی اسے پتہ چلا تو

دوڑی گئی اور اکبر کو اپنی پشت کے پیچھے کر کے گولیوں کی بارش کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ہمایوں کی نظر پڑی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس طرف گولی نہ چلائی جائے اور نہ کوئی گولہ پھینکا جائے۔ اس طرح اکبر اور ماہم انگہ کی جان بچ گئی۔ اس دن کے بعد ہمایوں کی نظر میں ماہم انگہ کی عزت دوچند ہو گئی۔

۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء میں ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر چودہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ وہ بھی ماہم انگہ کو اپنی ماں کے برابر سمجھتا تھا اور اس کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اس طرح ماہم انگہ کو شاہی دربار میں بے پناہ اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور وہ سلطنت کی نہایت طاقتور خاتون سمجھی جاتی تھی۔ اس کے لڑکے ادھم خان سے بھی اکبر کو بہت لگاؤ تھا۔ اسی بناء پر وہ بہت منہ زور ہو گیا تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ ۹۶۹ھ/۱۵۶۲ء میں اکبر نے ادھم خان کو مالوہ کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ اس نے مالوہ تو فتح کر لیا لیکن تمام مالِ غنیمت خود دبا کر بیٹھ گیا۔ اس پر اکبر ناراض ہو گیا اور اس کو سزا دینے کے لیے ایک زبردست لشکر کے ساتھ مالوہ کے دارالحکومت سارنگ پور پہنچ گیا۔ دوسرے دن ماہم انگہ بھی سارنگ پور پہنچ گئی اور ادھم خان سے تمام مالِ غنیمت لے کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ساتھ ہی بیٹے کو بھی دست بستہ اکبر کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اس پر اکبر کی ناراضی کسی حد تک دور ہو گئی اور وہ واپس چلا گیا تاہم اس نے ماہم انگہ اور ادھم خان کے اختیارات اور اثر و رسوخ کم کرنے کی ٹھان لی۔ اس سلسلے میں اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شمس الدین محمد اتکہ کو خانِ اعظم کا خطاب دے کر وکیلِ مطلق کے منصب پر فائز کر دیا۔ شمس الدین محمد بھی ہمایوں کے جاں نثاروں میں سے تھا اور اس کی بیوی نے بھی اکبر کو دودھ پلایا تھا۔ بیرم خان کی بغاوت پر بھی اسی نے قابو پایا تھا۔ اس لیے اکبر کے نزدیک وہ بھی بہت معزز و محترم تھا۔ ماہم انگہ اور اس کا بیٹا ادھم خان شمس الدین محمد اتکہ سے پہلے ہی خار کھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ منعم خاں خانخاناں کو وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا جائے۔ اب جو اکبر نے شمس الدین محمد کو ایک ایسے منصب پر فائز کر دیا جو وزیرِ اعظم کے عہدے کے برابر تھا

تو ادھم خان اتکہ خانِ اعظم کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ ۱۲ رمضان المبارک ۹۶۹ھ (۱۵۶۱ء) کو منعم خان اور شہاب خان دیوانِ عام کے ایک مکان میں بیٹھے مہماتِ سلطنت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ شمس الدین محمد بھی وہاں موجود تھا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کر رہا تھا کہ یکایک ادھم خان اپنے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں نمودار ہوا۔ اس کے ایک ملازم خوشم ازبک نے آگے بڑھ کر شمس الدین محمد کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔ شمس الدین محمد بوڑھا آدمی تھا اور روزے سے تھا۔ وہ خنجر کھا کر محلِ شاہی کی طرف بھاگا۔ ادھم خان کے ایک دوسرے ملازم خدا بردی نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ شمس الدین محمد کے گرتے ہی دیوانِ عام میں غل مچ گیا۔ ادھم خان بادشاہی حرم سرا کی طرف بھاگا لیکن دربان نے صورتِ حال کو بھانپ کر حرم سرا کا دروازہ مقفل کر دیا۔ دوپہر کا وقت تھا اور اکبر حرم سرا کے بالاخانے میں آرام کر رہا تھا اس نے شور سنا تو کوٹھے کی دیوار سے سر نکال کر پوچھا، کیا بات ہے؟ ایک ملازم نے خانِ اعظم کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ اکبر گھبرا کر باہر چلا، ایک حرم نے اس کے ہاتھ میں تلوار تھما دی۔ باہر نکلتے ہی اس کا سامنا ادھم خان سے ہو گیا، کڑک کر کہا — "او بے ہودہ لڑکے میرے آتکہ کو کیوں مار ڈالا؟" ادھم خان نے بادشاہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کہا کہ تحقیق کیجئے اور غور فرمائیے میں نے آپ کے اور سلطنت کے بدخواہ کو سزا دی ہے۔ اکبر سخت مشتعل تھا، کچھ دیر ادھم خان کے ساتھ اس کی دھکم پیل ہوتی رہی پھر اس نے اپنی تلوار پھینک کر ادھم خان کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ اس نے خود تلوار کھینچنی چاہی تو اکبر نے اس کے کلے پر اس زور کا مُکا مارا کہ وہ تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ اب بادشاہ نے جھنجلا کر ملازمینِ شاہی سے کہا: چہ تماشا میکنید، بر بندید ایں دیوانہ را (تماشا کیا دیکھ رہے ہو باندھ لو اس دیوانے کو) انہوں نے فوراً مشکیں کس لیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو دولت خانہ کے کوٹھے پر سے نیچے پھینک دو۔ ایوان مذکور بارہ گز بلند تھا۔ ملازمین ماہم انگہ سے بھی ڈرتے تھے انہوں نے کوٹھے پر سے اس طرح پھینکا کہ پاؤں کے بل گرا اور بچ گیا۔

اکبر نے حکم دیا کہ دوبارہ پھینکو اور سر کے بل پھینکو۔ اب انہوں نے اس طرح پھینکا، تو ادھم خان کا سر پاش پاش ہو گیا اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔ اتنے میں شمس الدین محمد آتکہ کا بڑا بیٹا یوسف خاں اور دوسرے آتکہ خیل مسلح ہو کر انتقام کے لیے نکلے۔ اکبر نے خانِ اعظم کے بڑے بھائی کو بلا کر ادھم خان کی لاش دکھائی اور کہا کہ ہم نے قصاص لے لیا ہے اب میں فساد کی اجازت نہیں دوں گا۔

ماہم انگہ ان دنوں کچھ بیمار تھی اس کو کسی نے خبر دی کہ ادھم خان کو بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا ہے، دوڑی گئی کہ بیٹے کو چھڑا لائے۔ بادشاہ نے اسے دیکھتے ہی کہا "ادہم آتکہ مار اکشتہ، ماہم اور اکشتیم" (ادہم نے ہمارے آتکہ کو قتل کیا ہم نے بھی اسے قتل کر ڈالا) پھر اسے تسلی دی کہ جو ہونا تھا ہو گیا اب صبر کرو۔ ماہم انگہ کا رنگ فق ہو گیا۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولی ــــ "خوب کرد ید کہ آئینِ انصاف ہمیں بود" (اچھا کیا کہ انصاف کا تقاضا یہی تھا۔) پھر گرتی پڑتی گھر پہنچی اور صدمے کے مارے چارپائی سے لگ گئی! ادہم خان کے قتل کے چالیسویں دن اس نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ اٹھا تو اکبر نے بھی اس کو کندھا دیا۔ لاش دِلّی بھیج دی گئی جہاں ادہم خان کی قبر کے پہلو میں اسے دفن کیا گیا پھر اکبر کے حکم سے دونوں قبروں پر مقبرہ بنا دیا گیا۔

ماہم انگہ نے ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء میں دِلّی کے پرانے قلعے کے متصل ایک عالیشان مدرسہ بنوایا تھا جس کا نام "خیر المنازل" تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جس میں طلبہ کے قیام کے لیے بہت سے حجرے بھی تھے۔ مدرسے کی عمارت کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے اور بقیہ خراب ہو رہا ہے مسجد البتہ باقی ہے۔ مدرسے کے صدر دروازے پر یہ کتبہ نصب ہے:

بدورانِ جلال الدین محمد | کہ باشد اکبر شاہانِ عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی | بنا کرد ایں بناء بہرِ افاضل
دے شد ساعی ایں بقعۂ خیر | شہاب الدین احمد خاں باذل
زہے خیریت ایں بقعۂ خیر | کہ شد تاریخ اد خیر المنازل

(دربارِ اکبری۔ ہمایوں نامہ)

بی بی کاملہ بیگم

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے زمانے (۹۶۳ھ ۱۵۵۵ء تا ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء) میں فارسی کی نامور شاعرہ گزری ہے۔ دہلی کی رہنے والی تھی۔ اس کا سالِ وفات تو تذکروں میں درج نہیں ہے البتہ اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ وہ ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۴ء تک حیات تھی کیونکہ اُس نے ابوالفیض فیضی کی وفات (۱۰۰۳ھ ۱۵۹۴ء) پر یہ رباعی کہی تھی :-

فیضی! مخور ایں غم کہ دلت تنگی کرد
یا پائے امید عمر تو لنگی کرد
می خواست کہ مرغ روح بلند رُخ دوست
زیں واسطہ از قفس شب آہنگی کرد[1]

("ہمدرد صحت ڈائجسٹ" کراچی اگست ۱۹۷۰ء)

بی بی نہانی

اکبر بادشاہ کے عہد میں مشہور شاعرہ ہوئی ہے۔ آگرے میں رہتی تھی۔ اس کا بیٹا محمد جعفر احدی کشمیر میں امیر البحر تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں لکھا ہے کہ : " ہر چند شاعروں نے اس کی غزلوں کے جواب میں غزلیں کہیں لیکن کوئی بھی اس کی برابری نہ کرسکا۔"

نہانی کا یہ شعر تذکروں میں محفوظ ہے :

روز غم شب دردِ بے آرام پیدا کردہ ام ‏ درد مندی ہا دریں ایام پیدا کردہ ام

(منتخب التواریخ)

[1] بعض تذکروں میں یہ رباعی سلطان سلیمہ بیگم مخفی سے منسوب کی گئی ہے۔

سلیمہ سلطان بیگم مخفی

مرزا نورالدین محمد اور گل چہرہ کی بیٹی، ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کی نواسی اور ہمایوں بادشاہ کی بھانجی تھی۔ پہلے اس کی شادی کمسنی میں بیرم خان خانخاناں سے ہوئی۔ مقصد اس رشتہ کا بیرم خان کا اعزاز اور سلطنت سے رشتہ مضبوط کرنا تھا۔ اس کے قتل (۹۶۸ھ) کے چودہ سال بعد اس کا نکاح ثانی (۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء) میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ سے ہوا۔ نہایت خوش مزاج، شیریں کلام، حاضر جواب، نیک سیرت، باسلیقہ، علم دوست، صاحب تدبیر، دیندار اور فیاض خاتون تھی۔ مختلف علوم و فنون سے آگاہ ہونے کے علاوہ شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق بھی رکھتی تھی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا تخلص مخفی لکھا ہے اور بعض نے مخلص۔ تذکروں میں اب اس کے صرف تین شعر محفوظ رہ گئے ہیں ؎

کاکلت را گر ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام[1]
مست بودم زیں سبب حرفِ پریشاں گفتہ ام

ملک الشعراء فیضی کی وفات پر اس نے یہ رباعی کہی:

فیضی مخور ایں غم کہ دلت تنگی کرد | یا پائے امید عمر لنگی کرد
می خواست کہ مرغ روح بیند رخ دوست | زیں واسطہ از قفس شب آہنگی کرد[2]

سلیمہ سلطان بیگم نے ملکہ ہو کر اپنی داد و دہش سے رعایا کو خوب خوش کیا۔ وہ اپنی زندگی میں چار مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئی اور حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ نبوی کی سعادت حاصل کی۔ اس کو مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ

---

[1] بعض تذکروں میں یہ مصرعہ اس طرح درج ہے ع کاکلت را من بمستی رشتۂ جاں گفتہ ام

[2] بعض تذکروں میں یہ شعر ایک اور شاعرہ کاملہ بیگم سے منسوب کئے گئے ہیں۔

اس نے "سنگھاسن بتیسی" کا فارسی ترجمہ "نامۂ خرد افروز" مطالعہ کے لیے شاہی کتب خانے سے طلب کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کتاب گم ہو چکی ہے۔ اس پر ملا عبدالقادر بدایونی کو، جو ان دنوں چھٹی لے کر اپنے وطن گئے ہوئے تھے، طلب کر کے ان سے اصل مسودہ حاصل کیا گیا۔ بیگم نے اپنا ایک ذاتی کتب خانہ بھی بنایا تھا جس میں بہت عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ اس کتب خانے کی بعض کتابیں آج بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مل جاتی ہیں۔ انقلابِ زمانہ سے کتب خانہ محفوظ نہ رہا اور اس کی کتابیں غیروں کے ہتھے چڑھ گئیں۔

سلیمہ سلطان بیگم ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء میں گلبدن بیگم اور شاہی خاندان کی دوسری خواتین کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئی۔ اس قافلے کو ایک سال سورت میں ٹھہرنا پڑا۔ پھر یہ قافلہ بحری جہاز پر سوار ہو کر حجازِ مقدس پہنچ گیا۔ حجازِ مقدس میں اس کا قیام ساڑھے تین برس رہا۔ اس دوران میں سلیمہ سلطان بیگم نے چار حج کیے اور روضۂ نبوی کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء میں یہ قافلہ ایک بحری جہاز کے ذریعے حجازِ مقدس سے عازمِ وطن ہوا۔ بدقسمتی سے یہ جہاز عدن کے قریب ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ بارے اللہ نے فضل کیا اور تمام خواتین کی جانیں بچ گئیں البتہ انہیں کافی عرصہ عدن میں قیام کرنا پڑا اور وہ کہیں ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں واپس فتح پور سیکری پہنچیں۔

سلیمہ سلطان بیگم نے ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء میں وفات پائی۔ جہانگیر بادشاہ نے اپنی تزک میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"(سلیمہ سلطان بیگم) جمیع اوصافِ حسنہ سے آراستہ تھیں۔ خواتین میں اس درجے کا ہنر اور قابلیت کم جمع ہوتی ہے۔ وہ نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں اور مخفی تخلص کرتی تھیں۔"

وفات کے وقت سلیمہ سلطان بیگم کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

(مشاہیر نسواں۔ دربارِ اکبری۔ تذکرۃ الخواتین)

چاند بی بی یا چاند سلطانہ

(چاند سلطان)

یہ شیر دل خاتون حسین نظام شاہ والیٔ احمد نگر (دکن) کی بیٹی تھی۔ ماں کا نام خونزہ ہمایوں تھا۔ والدین نے اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور نہایت لائق اور قابل استادوں کو اس کی تعلیم پر مامور کیا۔ چنانچہ چند سال کے اندر شہزادی جملہ علوم و فنون میں ماہر ہو گئی۔ خود بادشاہ چاند بی بی کو سپہ گری، شہسواری، شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی تعلیم دیا کرتا تھا اور ملکی نظم و نسق سے متعلق امور بھی سمجھاتا۔ جب وہ جوان ہوئی تو اس کے اوصاف حمیدہ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اس کے علم و دانش اور لیاقت کا حال بیجاپور کے حکمران علی عادل شاہ (۹۶۵ھ تا ۹۸۷ھ / ۱۵۵۸ء تا ۱۵۸۰ء) نے سنا تو اس نے حسین نظام شاہ کو چاند بی بی کے لیے پیغام بھیجا جسے اس نے منظور کر لیا اور چاند بی بی کی شادی علی عادل شاہ سے ہو گئی۔

بیجاپور (سسرال) پہنچ کر چاند بی بی نے اپنی سلیقہ شعاری اور حسن لیاقت سے سسرال والوں کے دل اپنی مٹھی میں کر لیے، ساتھ ہی اپنی رعایا اور زیر دستوں سے ایسا اچھا برتاؤ کیا کہ سب اس کے گن گانے لگے۔ ایک دفعہ علی عادل کو خبر ملی کہ دربار کے کچھ امیر اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور اس کی جان لینے کے درپے ہیں۔ اس نے ان امیروں کے نام معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اب وہ ہر وقت اپنی جان کے خوف سے متفکر رہنے لگا۔ چاند بی بی نے شوہر کی بدلی ہوئی حالت دیکھی تو اس نے بڑا اصرار کر کے بادشاہ سے اس کا سبب دریافت کیا جب اس نے

بتایا کہ مجھے قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے تو بہادر چاند بی بی نے شوہر کو تسلی دی اور کہا کہ میرے جیتے جی آپ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ آج سے رات کو میں آپ کی حفاظت کیا کروں گی، آپ اطمینان سے سویا کیجئے۔

چنانچہ اس دن سے چاند بی بی بذات خود شاہی خواب گاہ کی نگہبانی کرنے لگی۔ ایک رات کو یکایک کسی کے بالا خانے پر کودنے کی آواز آئی۔ وہ پہرے داروں کو آواز دینے یا شوہر کو جگانے کے بجائے تن تنہا تلوار سونت کر بالا خانے پر چڑھ گئی۔ وہاں دو نقاب پوش ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لیے کھڑے تھے۔ وہ دونوں چاند بی بی پر جھپٹے مگر وہ پھرتی سے پیچھے ہٹی اور پینترا بدل کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ ایک تو وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا آگے بڑھا تو اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ شور سن کر علی عادل شاہ بھی جاگ اٹھا اور دوڑتا ہوا اوپر آیا، اس نے یہ منظر دیکھا تو اپنی بہادر ملکہ کی تلوار چوم لی اور بولا:-

"چاند بیگم اگر تمام دنیا بھی میری دشمن ہو جائے تو تیرے ہوتے ہوئے مجھے کوئی ڈر نہیں۔"

ایک مرتبہ وہ پالکی میں سوار میکہ (احمد نگر) سے سسرال (بیجاپور) آرہی تھی۔ چند مسلح سپاہی بھی ساتھ تھے۔ راستے میں ایک ویران مقام پر ڈاکوؤں کے ایک بڑے جتھے نے اس چھوٹے سے قافلے پر حملہ کر دیا۔ محافظ سپاہیوں نے جی توڑ کر ان کا مقابلہ کیا لیکن سب ایک ایک کر کے مارے گئے اور ملکہ چاند بی بی اکیلی رہ گئی۔ وہ گھبرانے یا خوفزدہ ہونے کے بجائے تلوار سونت کر پالکی سے اتری اور ڈاکوؤں کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ بہت سے اس کی تلوار کا لقمہ بن گئے اور باقی بھاگ گئے۔

۹۸۷ھ (۱۵۸۰ء) میں علی عادل شاہ کی وفات پر اس کا نابالغ بھتیجا ابراہیم عادل شاہ اس کا جانشین ہوا اور ملکہ چاند سلطانہ شوہر کی وصیت کے مطابق اس کی سرپرست مقرر ہوئی۔ وہ کئی سال تک یہ فرض نہایت حسن و خوبی سے

انجام دیتی رہی لیکن پھر کچھ وزیروں امیروں نے اس کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ چاند بی بی تنگ آکر احمد نگر چلی گئی۔ اس کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد سازشی وزیروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ابراہیم عادل شاہ نے ان کی نااتفاقی کا فائدہ اٹھا کر سب کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا اور چاند بی بی کو واپس بلا بھیجا۔ وہ بیجا نگر آ تو گئی لیکن اب اس کا دل مردہ ہو چکا تھا اور وہ سیاسی جھمیلوں سے الگ رہ کر پُرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

چاند بی بی کے والد حسین نظام شاہ نے ۹۷۲ھ/۱۵۶۵ء میں وفات پائی تو مرتضیٰ نظام شاہ اپنی ماں خونزہ ہمایوں کی سرپرستی میں باپ کی جگہ مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ چھ سال تک تو ماں کاروبارِ حکومت چلاتی رہی اس کے بعد وزیروں نے اقتدار اس سے چھین کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مرتضیٰ نظام شاہ محض نام کا بادشاہ تھا اور دیوانہ کہلاتا تھا۔ ۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء میں اس کی وفات کے بعد میراں حسین، اسمٰعیل اور برہان شاہ (ثانی) یکے بعد دیگرے تختِ حکومت پر بیٹھے۔ مؤخرالذکر نے ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء سے ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء تک حکومت کی۔ اس کے عہدِ حکومت میں اکبر بادشاہ نے شہزادہ مراد اور خانخاناں کو تسخیرِ دکن کے لیے روانہ کیا۔ برہان شاہ نے ان کو اپنی مملکت کے ایک صوبے برار کی پیشکش کر دی لیکن ابھی یہ معاملہ پوری طرح طے نہیں ہوا تھا کہ برہان شاہ فوت ہو گیا اور ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں اس کی جگہ ابراہیم شاہ تخت نشین ہوا وہ جلد ہی باغی امراء کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اب منجھو خان وکیلِ سلطنت، آہنگ خان اور اخلاص خان تین سربرآوردہ امراء میں تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی اور مملکت کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ چاند بی بی کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بیجا پور سے احمد نگر آ گئی۔ اس اثناء میں شہزادہ مراد اور خانخاناں یلغار کرتے ہوئے احمد نگر کے قریب آ پہنچے۔ چاند بی بی نے تہیّہ کر لیا کہ وہ ہر صورت میں اپنی آبائی حکومت کو بچائے گی۔ اس نے پہلے تو مخالف امراء کو قلعہ سے باہر نکال دیا اور باقی

کو حسنِ تدبیر سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر اس نے محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ اور
ابراہیم عادل شاہ والیٔ بیجاپور سے امداد طلب کی اور قلعہ کے حفاظتی انتظامات
کو مستحکم کر کے شہزادہ مراد کو خط لکھا کہ اگر آپ دوست کی حیثیت سے احمد نگر
آنا چاہتے ہیں تو بڑی خوشی سے تشریف لائیے آپ ہمیں حد سے زیادہ مہمان نواز
پائیں گے لیکن اگر آپ کا ارادہ احمد نگر پر بزورِ شمشیر قبضہ کرنے کا ہے تو پھر
سمجھ لیجئے کہ احمد نگر کا بچہ بچہ اپنے وطن کی حرمت پر قربان ہو جائے گا اور
اپنے جیتے جی کسی کو اپنی سرزمین پر قدم نہیں رکھنے دے گا۔

شہزادہ مراد نے اس تنبیہ کی کچھ پروانہ کی اور ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء
کو اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ احمد نگر کی طرف بڑھا۔ چاند بی بی کی فوج نے اس کی
ذاتی نگرانی میں مغل فوج پر اپنی توپوں سے ایسی شدید گولہ باری کی کہ حملہ آور
ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ دوسرے دن مراد نے خانخاناں اور دوسرے
سردارانِ فوج سے مشورہ کرنے کے بعد چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔
یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں مغل فوج نے کئی بار بڑے
جوش و خروش سے قلعے پر حملے کیے لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔

اُدھر چاند بی بی کی درخواست پر ابراہیم عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار اور
قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے چاند بی بی کی مدد کے لیے روانہ
کیے۔ شہزادہ مراد کو اس لشکر کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی
فوج کو حکم دیا کہ امدادی لشکر کے پہنچنے سے پہلے قلعہ پر ہر صورت میں قبضہ
کرنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی
گئیں اور ان میں بارود بھر دی گئی تاکہ اسے آگ لگا کر قلعہ کو اڑا دیا جائے۔
مگر چاند بی بی غافل نہیں بیٹھی تھی بلکہ دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر
رکھ رہی تھی اسے ان بارودی سرنگوں کا علم ہوا تو راتوں رات سرنگوں
میں پانی بھروانا شروع کر دیا۔ ابھی دو یا تین سرنگیں بیکار ہوئی تھیں

کہ شہزادہ مراد نے سرنگوں کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ اس زور کا دھماکا ہوا کہ کانوں کے پردے پھٹ گئے اور قلعے کی دیوار میں پچاس گز چوڑا شگاف پڑ گیا۔ قلعے میں محصور سپاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے لیکن بہادر چاند بی بی ذرا نہ گھبرائی اور گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار عَلَم کیے سراپردہ سے باہر نکل آئی اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ توپوں کو گھسیٹ کر شگاف میں کھڑی کر دو۔ فوج نے اسی کے مطابق عمل کیا اور پھر مغل فوج پر بے پناہ گولہ باری شروع کر دی۔ حملہ آور فوج نے آگے بڑھنے کی سرتوڑ کوشش کی اور بار بار قلعے پر خوفناک حملے کیے لیکن چاند بی بی نے اسے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ اس ہمت اور استقلال سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ شام تک قلعہ کی خندق حملہ آور سپاہیوں کی لاشوں سے پٹ گئی اور شہزادہ مراد کو مایوس ہو کر پیچھے ہٹنا پڑا۔

(کہا جاتا ہے کہ ایک موقع پر چاند بی بی کی فوج کے پاس سیسہ کی گولیاں ختم ہو گئیں۔ اس نے فوراً تانبے کی گولیاں ڈھلنے کا حکم دیا۔ جب وہ بھی ختم ہو گئیں تو سونے چاندی کی گولیاں تیار کرائیں اور اس مقصد کے لیے شاہی حرم سرا کے طلائی و نقرئی برتن، زیورات اور ہزاروں طلائی اور نقرئی روپے فوج کے حوالے کر دیئے لیکن شکست قبول نہ کی۔)

رات کو چاند بی بی نے اپنی نگرانی میں گری ہوئی دیوار کو دوبارہ بنوا دیا بلکہ اس کو پہلے سے تین گز بلند کر دیا۔ صبح کو شہزادہ مراد نے دیکھا تو شگاف کی جگہ پہلے سے بھی بلند دیوار اس کے راستے میں حائل تھی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ اس موقع کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے تحسین بلند ہو گئی اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔ اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد

کا دل چھوٹ گیا۔ امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی۔ ناچار صلح کرنی چاہی۔ اول تو چاند سلطان نے انکار کیا کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے لیکن چونکہ لوگ قلعہ بند رہ رہ کر گھبرا گئے تھے اس لیے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی اور حسب قرار برار کا صوبہ شہزادہ مراد کے حوالے کر دیا۔" (خواتین اسلام کی بہادری)

شہزادہ مراد کی واپسی کے بعد چار سال تک احمد نگر کے لوگ امن چین سے زندگی بسر کرتے رہے لیکن پھر امراء میں خود غرضی اور نا اتفاقی نے سر ابھارا۔ اکبر اسی موقع کی تاک میں تھا اس نے ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء میں شہزادہ دانیال کی سرکردگی میں ایک جرار لشکر احمد نگر کی تسخیر کے لیے بھیج دیا۔

اب کی بار شاہی فوج کا پلہ بھاری تھا کیونکہ احمد نگر کی طاقت کو خانہ جنگیوں نے کمزور کر دیا تھا تاہم چاند سلطانہ اپنے جاں نثاروں کو لے کر مقابلہ کے لیے کمربستہ ہو گئی۔ اس نازک گھڑی میں چیتہ خان خواجہ سرا اور بعض دوسرے امیروں نے غداری کی۔ انہوں نے فوج کے سپاہیوں کو یہ کہہ کر ملکہ کے خلاف بھڑکا دیا کہ وہ تم سے دغا کر رہی ہے اور قلعہ کو دشمنوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ مشتعل سپاہی ان غدار امیروں کے ساتھ چاند سلطانہ کے کمرے میں گھس گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ یوں اس بہادر خاتون کی زندگی کا افسوسناک طریقے سے خاتمہ ہو گیا۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ (نواب صدر یار جنگ) کے نام اپنے ایک خط (مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء) میں قلعۂ احمد نگر اور چاند بی بی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:—

"یہی احمد نگر کا قلعہ ہے جس کی سنگی دیواروں پر برہان نظام شاہ

کی بہن[1] چاند بی بی نے اپنے عزم و شجاعت کی یادگارِ زمانہ داستانیں کندہ کی تھیں۔ ——— اور جنھیں تاریخ نے پتھر کی سِلوں سے اتار کر اپنے اوراق و دفاتر میں محفوظ کر لیا ہے۔

بیفشاں جُرعہ بر خاک و حالِ اہلِ شوکت
کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد

(تاریخ فرشتہ۔ مشاہیر نسواں
خواتینِ اسلام کی بہادری)

[1] چاند بی بی برہان نظام شاہ کی بہن نہیں بلکہ پوتی تھی۔ مولانا کو یہ تسامح شاید اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے یہ خط قلعہ احمد نگر میں اپنی نظر بندی کے دوران میں لکھا تھا اور دکن کی تاریخ ان کے پاس نہیں تھی۔